قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

ماہنامہ

جلد: ۸۹ شمارہ: ۱۲

ذوالحجہ: ۱۴۴۷ھ - جون: ۲۰۲۶ء

قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مدیر رمدیر مسئول

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

نائب مدیر

مولانا سید احمد یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ’’بینات‘‘ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800 پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ’’بینات‘‘: 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 50 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ’’بینات‘‘ میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: +92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

عقیدۂ ختمِ نبوت پر عظیم الشان انسائیکلو پیڈیا
احتسابِ قادیانیت اور محاسبۂ قادیانیت — ۳ — محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

مکاتیب بنام حضرت بنوری رحمہ اللہ
از مولانا محمد منصور میاں انصاریؒ و مولانا محمد زکریا بنوریؒ — ۹ — انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
بیماری اور عیادت - آداب و احکام — ۱۴ — مولانا عبد اللطیف قاسمی
امام العصر علامہ کشمیریؒ کا اُسلوبِ نگارش! — ۳۰ — مولانا محمد سفیان عطاء
ٹریفک قوانین اور اسلامی نقطہ نظر — ۴۱ — مولانا ڈاکٹر امجد حسین
ترجمہ نگاری کے اصول و ضوابط — ۴۵ — مولانا ارشاد احمد سالارزئی
تعلیم و تربیت (چالیس روزہ دینی و اخلاقی تربیتی کورس) — ۵۳ — ادارہ

یادِ رفتگاں

شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ محمد ادریس شہید رحمہ اللہ — ۵۵ — محمد اعجاز مصطفیٰ
حضرت مولانا شیخ محمد ادریس رحمہ اللہ کی رحلت — ۵۸ — مولانا نور الرحمٰن

دار الافتاء

زکاۃ میں سلے ہوئے کپڑے دینا — ۶۰ — ادارہ
پانی میں بال، مچھر، مکھی وغیرہ گرنے کا حکم — ۶۱ — ادارہ

نقد و نظر

الجزاء الأوفی في ذکر أسماء المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم — ۶۲ — ادارہ
توضیح التوضیح شرح اردو التوضیح والتنقیح — ۶۳ — ادارہ

عقیدۂ ختمِ نبوت پر عظیم الشان انسائیکلو پیڈیا

احتسابِ قادیانیت (۶۰ جلدیں) محاسبۂ قادیانیت (۴۰ جلدیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی !

تکوینی طور پر بعض حالات اور واقعات ایسے پیش آجاتے ہیں جو بظاہر بڑے کٹھن اور صبر آزما ہوتے ہیں، لیکن ان میں مستقبل کے اعتبار سے پوری اُمتِ مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کی ہدایت اور راہنمائی کی نوید ہوتی ہے اور وہ اُمت کے لیے بڑے نفع کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں مسیلمہ کذاب کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمامِ اَمر میں شراکت اور خلافت کا مطالبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اُس کا جھوٹا دعویٰ نبوت اُمت کے لیے واقعتاً بڑی سخت آزمائش تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُس کے خلاف جہاد کیا، جس میں کم وبیش بارہ سو صحابہؓ اور تابعینؒ نے جامِ شہادت نوش کیا، جن میں سات سو قرآنِ کریم کے حفاظ تھے، یہ معمولی سانحہ نہیں تھا، لیکن ان صبر آزما حالات کو اللہ تعالیٰ نے جمعِ قرآنِ کریم اور حفاظتِ قرآنِ مجید کا پیش خیمہ بنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں قرآنِ کریم کی حفاظت کی خاطر اضطراب پیدا کیا، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ اس سے پہلے کہ تمام حفاظ صحابہؓ یکے بعد دیگرے شہید ہوجائیں اور قرآنِ کریم اُمت کے قلوب سے اُٹھ جائے، آپ اس کو کتابی شکل میں محفوظ کرائیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی شرحِ صدر نصیب فرمایا، انہوں

نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں صحابہ کرامؓ کی جماعت کے ذریعے قرآن کریم کو حفاظِ کرام کے قلوب اور متفرق صحیفوں وغیرہ سے جمع کر کے کتابی شکل میں مرتب کیا۔ آج اس محفوظ قرآن کریم کی صورت میں اُمتِ مسلمہ اور پوری انسانیت کو کتنی بڑی علمی نعمت اور خیرِ کثیر ملی ہوئی ہے!

پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں جب اسلام عرب سے نکل کر عجم کے کئی ممالک میں پھیل گیا، اور عرب کی مختلف لغات اور لہجات میں قرآنِ کریم کی تلاوت وکتابت سے اُمت میں اختلاف کا اندیشہ ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے قرآنِ کریم کو ایک لغتِ قریش پر باقی رکھ کر اور بقیہ لغات کو موقوف کر کے اُمت پر کتنا بڑا احسان کیا۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر دور میں بعض ایسی شخصیات کو کھڑا کیا جنھوں نے علمی اعتبار سے پوری اُمتِ مسلمہ کے لیے فرضِ کفایہ کا کام کیا۔ کہیں فقہاءِ کرام کو قرآن وسنت سے مسائل کے استنباط کی وقیع علمی خدمت کے لیے منتخب کیا، کبھی قراءِ کرام سے قرآنِ کریم کی سبعہ عشرہ قراءت کی حفاظت کا کام لیا، کبھی محدثینِ عظام سے احادیثِ نبویہ کی تدوین وجمع کا کام لیا، کبھی نقّاد ائمہ حدیث سے احادیث کو پرکھنے، جانچنے اور صحیح کو موضوع سے الگ الگ کرنے کا کام لیا، کبھی اولیاء اللہ کو کھڑا کر کے دینِ اسلام کی حفاظت اور اشاعت کا کام لیا، کبھی مجاہدین کو کھڑا کر کے دینِ اسلام کے سامنے موجود رکاوٹوں کو دور کیا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے کی غرض سے دین کی حفاظت، اشاعت اور پھیلاؤ یا دین میں دَر آنے والے فتنوں سے دفاع یا بچاؤ کا معاملہ ہو یا اُمتِ مسلمہ اور انسانیت کی ہدایت وراہنمائی کا معاملہ ہو، ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر اپنے بندوں سے کام لیا اور انھوں نے دین کو تر وتازہ کر کے اُمت کو پیش کیا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱: ’’ إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا . ‘‘

(أبو داود: ٤٢٩١)

ترجمہ: ’’اللہ اس اُمت کے لیے ہر صدی کی ابتدا میں ایک ایسے شخص کو اُٹھائے گا جو اس کے لیے اُس کے دین کی تجدید کرے گا۔‘‘

۲: ’’ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِ يْنَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ . ‘‘ (مسلم: ١٩٢٠)

ترجمہ: ’’میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر (قائم اور) غالب رہے گا، جو شخص بھی ان کی حمایت سے دست بردار ہوگا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا، حتی کہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ

اسی طرح ہوں گے۔''

۳:'' إنه سيكون في اٰخر هٰذه الأمة قوم لهم مثل أجر أوّلهم يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و يقاتلون أهل الفتن.''

(رواه البيهقي في دلائل النبوة، بحوالہ مشكاة المصابيح، ص:٥٨٤، ط:قدیمی)

ترجمہ:''اس اُمت کے آخر میں کچھ لوگ ہوں گے جنہیں امت کے پہلوں کا سا اجر دیا جائے گا۔ یہ لوگ ''معروف'' کا حکم کریں گے، بُرائیوں سے روکیں گے اور اہلِ فتنہ سے لڑیں گے۔''

''احتسابِ قادیانیت ومحاسبۂ قادیانیت، ۱۰۰ جلدوں پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس کا سہرا ہمارے ممدوح حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم کے سر جاتا ہے، جنھوں نے اُمتِ مسلمہ کے لیے تحفظِ ختمِ نبوت کے عظیم مقصد کے لیے یہ علمی سوغات پیش کی ہے، اس کے علاوہ ۶ /جلدوں میں ''قادیانی مسئلہ پر قومی اسمبلی کی مصدَّقہ رپورٹ''، اسی طرح ۱۷ جلدوں میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات پر ایک علیحدہ انسائیکلو پیڈیا بنام: ''حیات الانبیاء''، جو ۱۰۰۰۰ صفحات پر مشتمل اور ۱۰۰ سے زائد مصنفین ومؤلفین کے ۱۲۲ کتب ورسائل کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

احتسابِ قادیانیت ومحاسبۂ قادیانیت کی تفصیل سے پہلے یہ واضح ہونا مناسب ہے کہ انسائیکلو پیڈیا کیا ہوتا ہے؟

انسائیکلو پیڈیا (Encyclopedia) علم ومعلومات کا ایک ایسا جامع ذخیرہ ہوتا ہے جس میں مختلف علوم، فنون، شخصیات، مقامات اور دنیا بھر کے موضوعات کو حروفِ تہجی یا موضوعاتی ترتیب سے جامع اور منظم انداز میں بیان کیا جاتا ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری کو کسی بھی موضوع پر مختصر یا مطوّل، مگر مستند معلومات یکجا مل جائیں۔ اسے عربی میں ''دائرة المعارف'' اور انگریزی میں انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا ہے اور اردو میں بھی یہی دونوں الفاظ مستعمل اور مروّج ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا کی تاریخ بہت پرانی ہے، قدیم یونان میں ارسطو نے مختلف علوم کو جمع کرنے کی بنیاد رکھی، رومی دور میں اور پھر اٹھارویں صدی میں اس فن کو ترقی ملی، قدیم مخطوطات سے لے کر ڈیجیٹل پلیٹ فارمز تک اس کی شکل جدید سے جدید تر ہوئی ہے۔

انسائیکلو پیڈیا کی چند اہم اقسام درج ذیل ہیں:

❶- عمومی، جس میں ہر موضوع پر معلومات مہیا کی جاتی ہیں۔

❷- مخصوص، جو کسی ایک شعبہ مثلاً: اسلام، سائنس وغیرہ پر معلومات فراہم کرتی ہے۔

❸- آن لائن، جسے جدید دنیا میں ڈیجیٹل انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا ہے۔

آن لائن انسائیکلو پیڈیا تک رسائی آسان اور فوری ہوتی ہے، جب کہ کتابی انسائیکلو پیڈیا زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے، مگر دونوں کا مقصد ایک ہی ہے: علم کو محفوظ کرنا اور عام کرنا۔

انسائیکلو پیڈیا کی اہم خصوصیات میں سے یہ ہے کہ یہ معلومات کا جامع ذخیرہ، معتمد ومستند اور تحقیق شدہ مواد ہوتا ہے جو الف بائی یا موضوعاتی ترتیب مثلاً مختلف شعبہ جات: مذہب، سائنس، تاریخ، ادب، جغرافیہ وغیرہ پر مختصر مگر جامع وضاحت کے ساتھ مدون کیا جاتا ہے۔ اس کی اہمیت اور فائدہ یہ ہے کہ اس سے تحقیق کرنے میں مدد ملتی ہے، طلبہ اور اساتذہ کے لیے بنیادی ذریعہ علم ہے، مستند معلومات تک فوری رسائی حاصل ہوتی ہے، جب کہ عمومی علم اور معلومات (جنرل نالج) میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں انسائیکلو پیڈیا (دائرۃ المعارف) کی ایک بہت وسیع روایت ہے۔ ہر بڑی زبان میں ایسے علمی خزانے موجود ہیں جو اپنے معاشرے، تاریخ اور علوم کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہر زبان کا انسائیکلو پیڈیا صرف معلومات کا ذخیرہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس قوم کی علمی روایت، سوچ اور تہذیب کا بھی آئینہ دار ہوتا ہے۔

برِصغیر میں جب مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الہندؒ کے جلیل القدر شاگرد حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کو اس فتنہ کے استیصال کے لیے منتخب کیا، آپ نے اپنے شاگردوں کو اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے آمادہ اور علمی طور پر تیار کیا، جنھوں نے اس فتنہ کی تردید اور تکذیب کے لیے تحریر وتقریر، تدریس وتصنیف اور جرائد ورسائل کا سہارا لیتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کی رہبری و راہنمائی کے ساتھ ساتھ ان کے دین وایمان کی حفاظت کی، اسی کے تسلسل میں تحریکات کا بھی مرحلہ آیا، اس میں بھی ہمارے اکابرین نے امتِ مسلمہ کی قیادت وسیادت کی، یہ قافلہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے معتمد سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے لے کر علومِ اَنورؒ کے وارث محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ اور حضرت شیخ الہندؒ کی سیاسی تحریک کے وارث حضرت مولانا مفتی محمودؒ تک چلا، جنھوں نے اُمتِ مسلمہ کی نمائندگی کرتے ہوئے ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا، ان تمام حضرات کی پوری زندگی کی دینی اور علمی جدوجہد کو اُمتِ مسلمہ کے سامنے لانے کی اشد ضرورت تھی، جسے حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب نے ''تحریکِ ختمِ نبوت'' (۱۰ جلدوں) میں لکھ کر یہ امانت ادا کی، گویا ''تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت'' پر انسائیکلو پیڈیا پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور اب آپ نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے ۱۰۰ جلدوں میں ''علومِ ختمِ نبوت'' کا جامع ذخیرۂ علم تیار کر دیا ہے۔

آپ نے ۳۶ سال قبل ''قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت'' نامی کتاب سے اس کام کا

آغاز کیا، جس میں اس عنوان پر ۱۰۰۰ کتابوں کی فہرست اور تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ردِّ قادیانیت پر اپنے دور کی سب سے مستند شخصیت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اپنی کتاب ’’تحفۂ قادیانیت‘‘ میں ۹۹ کتابوں کی فہرست شائع کی ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تصنیف ’’قائدِ قادیان‘‘ میں ۱۱۲ کتب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جب کہ اس عنوان پر سب سے پہلے حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے ’’حفاظتِ ایمان کی کتابیں‘‘ کے نام سے ۸۰ کتابوں کا تعارف کرایا تھا، آپؒ ہی کا مشہور مقولہ ہے کہ: ’’تحفظ ختم نبوت اور ردِّ قادیانیت پر اس قدر لکھواور طبع کراؤ کہ ہر مسلمان جب سوکر اٹھے تو اس کے سرہانے اس عنوان پر کتاب رکھی ہو۔‘‘ مولانا اللہ وسایا صاحب کی یہ کاوش ان بزرگوں کی سعیِ پیہم کے لیے ’’ختامه مسك‘‘ کا درجہ رکھتی ہے۔

۳۶؍سال کے طویل عرصے پر محیط تھکا دینے والے اس کام کو سرانجام دینے کے لیے آپ نے اندرونِ ملک قائم لائبریریوں کا چپہ چپہ چھان مارا، بیرونِ ملک سے بھی جہاں کسی کتاب کی موجودگی کی اطلاع پائی، اس کے حصول کے لیے اس وقت تک جتن کیے جب تک اسے حاصل نہ کرلیا۔ پھر اس عنوان پر بڑی کتابیں چھوڑ کر رسائل کی شکل میں جس نے بھی کچھ لکھا آپ نے اسے شامل کیا، مسلک وفرقہ، زبان وقوم، ملا ومسٹر کی تفریق نہ کی۔ نادرونایاب اور کم یاب اردو رسائل کے ساتھ ساتھ عربی وفارسی کے بھی قیمتی رسائل ترجمہ کراکے شامل کیے، ضخیم کتابوں کے علاوہ ورقی دوورقی مضمون ملا تو اسے بھی قرطاس کی دنیا میں زندہ وجاوید کردیا۔ آپ کی کوشش یہ رہی کہ ردِ قادیانیت پر جس نے بھی لکھا ہو وہ تمام مواد اکٹھا ہوجائے؛ تاکہ آئندہ تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے آسانی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کے اس جذبہ وجنون نے آپ سے وہ کام کرادیا کہ گویا آپ موصوف تاریخ ختم نبوت کا ایک مستقل باب بن گئے ہیں۔

ردِّ قادیانیت پر یہ تمام تر علمی کام دراصل تحفظِ ختم نبوت اور دفاعِ ناموسِ رسالت کے حسین سلسلے کی سنہری کڑیاں ہیں، کیونکہ قادیانیت، خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کا نام ہے اور اس بغاوت کو کچلنے کے لیے کی جانے والی ہر کوشش ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے مترادف ہے۔ جس طرح خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متحد ہوکر مسیلمہ کذاب کے فتنے کا مقابلہ کیا تھا، اسی طرح ایک بار پھر آج اُمتِ مسلمہ کے تمام مکاتبِ فکر نے بیک زبان وقلم ہوکر مسیلمۂ پنجاب مرزا قادیانی کو شکستِ فاش سے دوچار کیا ہے۔

مرزا غلام قادیانی نے ’’براہین احمدیہ‘‘ کے نام سے ۵۰ جلدوں پر کتاب لکھنے کا اعلان کیا تھا اور

عوام سے اس کی پیشگی رقم وصول کی، لیکن صرف ۵ جلدیں بمشکل پوری کر سکا اور بقیہ کے پیسے بھی واپس نہ کیے، نبوت کے جھوٹے دعوے دار قادیانی کذاب کی بد دیانتی کی یہ ایک ادنیٰ جھلک ہے۔ دوسری جانب تحریک تحفظ ختم نبوت کے ایک سپاہی سے اللہ تعالیٰ نے قادیانیت کے رد میں ۱۰۰ جلدوں پر مشتمل کتاب مرتب کروادی اور اس سے حاصل ہونے والا ایک پیسہ بھی کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں گیا، بلکہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے بیت المال کے لیے اسے وقف کر دیا، یہ صادق وامین پیغمبر ﷺ کے ایک امتی کے معاملات کی صفائی ہے۔

مولانا اللہ وسایا صاحب نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے تحت ''احتساب قادیانیت'' کی پہلی جلد دسمبر ۱۹۸۹ء میں شائع کی اور ۶۰ ویں جلد دسمبر ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی، اس کے بعد ''محاسبۂ قادیانیت'' کی پہلی جلد کی اشاعت اگست ۲۰۱۵ء میں ہوئی اور ۴۰ ویں جلد فروری ۲۰۲۶ء میں تیار ہوئی اور ۳۶ سال ۳ ماہ کے عرصہ میں ۱۰۰ جلدوں پر مشتمل ردِّ قادیانیت کا انسائیکلو پیڈیا (احتسابِ قادیانیت: ۶۰ جلدیں، محاسبۂ قادیانیت: ۴۰ جلدیں-کل: ۱۰۰ جلدیں) تیار ہوا۔

اگر ان دونوں مجموعوں کا الگ الگ جائزہ لیا جائے تو احتسابِ قادیانیت کی ۶۰ جلدوں میں ۳۶۹ مصنفین ومؤلفین کے ۷۷۶ رسائل وکتب ہیں، جن کے صفحات کی تعداد ۳۴۵۰۰ بنتی ہے۔ نیز محاسبۂ قادیانیت کی ۴۰ جلدوں میں ۲۴۲ مصنفین ومؤلفین کے ۸۲۷ رسائل وکتب شامل ہیں، جن کے صفحات کی تعداد ۲۱۱۲۰ ہے۔ اس طرح احتسابِ قادیانیت اور محاسبۂ قادیانیت کی ۱۰۰ جلدوں میں ۶۱۱ مصنفین و مؤلفین کے ۱۶۰۳ کتب ورسائل ومقالہ جات ہیں، جن کے صفحات کی تعداد ۵۵۶۲۰ ہے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت نے اسے کتابی صورت کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ پر بھی محفوظ کرنا شروع کر دیا ہے۔ ڈیجیٹل انسائیکلو پیڈیا سے استفادے میں سہولت اور اس کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے، لیکن یہ مجموعہ ہر لائبریری کی زینت بننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو پوری امت مسلمہ کی جانب سے اس فرضِ کفایہ کو ادا کرنے پر اَجرِ جزیل عطا فرمائے، اُمتِ مسلمہ کے لیے اس عظیم سرمایہ کو ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ بنائے اور آخرت میں ہم سب کے لیے حضور اکرم ﷺ کی شفاعت کا ذریعہ بنائے، آمین بحرمة خاتم النبیین!

وصلّی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیّدنا محمّد وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مکاتیب بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

ازحضرت مولانا محمد منصور میاں انصاری رحمۃ اللہ علیہ [1] وحضرت مولانا محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد منصور میاں انصاری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

پس منظر

والد ماجد علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ڈابھیل کے زمانۂ قیام میں مجلسِ علمی (ڈابھیل) کی جانب سے مصر وحجاز کا سفر (۱۳۵۶ھ-۱۳۵۷ھ) طے ہوا، اس سفر کے رفیق مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ والد ماجدؒ کا مزاج تھا کہ ہر اہم معاملہ میں استشارہ واستخارہ ضرور فرماتے تھے، چنانچہ اس سفر کے بارے میں مشاورت کے لیے اپنے والد اور ہمارے جدامجد مولانا سید محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا، جو اس زمانہ میں تجارتی سلسلہ میں کابل (افغانستان) میں مقیم تھے، اور وہیں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے رازدار ومعتمد شاگرد اور جہاں دیدہ شخصیت مولانا محمد منصور میاں غازی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کی رسم وراہ بڑھی، اور دیرینہ تعلق پیدا ہوا۔ جدامجد نے اس اہم معاملہ میں ان سے مشاورت مناسب سمجھی، انہوں نے اپنی رائے تحریری صورت میں قلم بند فرمائی، اور جدامجد نے بھی اس سے موافقت فرمائی۔

برادرم گرامی قدر جناب مولوی سید محمد یوسف صاحب زادت فیوضہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا راحت نامہ جناب محترم صاحب زادہ صاحب [2] نے دکھایا، نہایت خوشی حاصل ہوئی۔

جنابِ موصوف نے فرمایا کہ مشورہ طلب اُمور کا جواب آپ کو میں لکھوں۔

آپ نے حج کے متعلق اور سفرِ مصر کے بارے میں رائے طلب کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ انسان، سفر اور سیاحت کے ذریعہ سے انسان بنتا ہے، علی الخصوص جبکہ مملکتِ سفر، علم وعلماء اور ہوش مندوں کی مملکت ہو تو وہ سفر بالکل کیمیا اثر ہوتا ہے، اور اس سے طلائی منافع اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ موقعِ سفر اور وہ بھی مصر جیسی بلند مملکت کی طرف آپ کو میسر ہوتا ہے، یہ محض خدائے کریم کے خاص انعامات میں سے ہے، جو آپ کے لیے عطا ہوا ہے، اس انعامِ الٰہی پر ہم بھی شکرِ خدائے کریم ادا کرتے ہیں، آپ بھی اس پر شکر ادا کریں، مگر عملی!

سفرِ حج چونکہ اس سفرِ کیمیا اثر کا ضمیمہ ہے، اس لیے وہ بھی قابلِ قبول ہے، اس سفر کو ضرور اختیار کریں، اور اس کو اپنے نقصانات کے پورا کرنے کا کامیاب وسیلہ بنائیں۔

اگرچہ ضرورت نہیں، مگر تطوّعاً لکھتا ہوں کہ اس سفر میں امورِ ذیل پیشِ نظر رہیں:

اول: آپ کو علومِ عقلیہ ونقلیہ کافی حد تک حاصل ہیں، مگر وہ بطرزِ قدیم ہیں، اور قدیم علومِ نقلی کے لیے آپ کو محققینِ تازہ کی صحبت ڈھونڈنا چاہیے، اور علومِ عقلی قدیم کے بجائے علومِ عقلی تازہ میں سے ایک دو علم کو منتخب کر کے زمانۂ قیام میں انہیں حاصل کرنا چاہیے۔ علومِ عصریہ میں میرے نزدیک نظری فنون کی بنسبت عملی فنون لازمی ہیں، بالخاصہ فنونِ تنظیمی ودولتی۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اس سفر میں فنونِ دولتی کے متعلق کافی مہارت حاصل کریں گے، اور وہ بھی قانون سے تنظیم اور اصولِ ادارہ کے متعلق؛ کیونکہ مسلمان آج ضعیف ترین قوم ہے، اور ان کا یہ ضعف صرف ضعفِ تنظیم اور ضعفِ ادارہ کی راہ سے آیا ہے، اس لیے ترقیِ عالمِ اسلام کے لیے صرف اسی حصہ کی تکمیل ضروری ہے۔

آپ کو چاہیے کہ مولوی حامد صاحب (۳) سے میری تالیفات (انواع الاول، حکومتِ الٰہی، تفسیر مجمل فاتحہ) منگا کر مطالعہ کریں، ان سے آپ کو ابتدائی معلومات حاصل ہوں گی، آپ مصر میں اس فن کی تکمیل کریں۔

اس کے علاوہ تفسیر کے متعلق جو اسلوب اس آوارہ کو عطا ہوا ہے، وہ دنیا کو غالباً اب تک نہیں ملا، وہ یہ کہ قرآنِ حکیم سے دستورِ حکومتِ الٰہی کو استنباط کر کے اس کی فضیلت، اصولِ دولی عصری کے ذریعہ سے تمام دولی اصولِ غیر الٰہی پر ثابت کرنا۔ یہ علوم حضرت شاہ ولی اللہ (دہلوی) وحضرت قاسم الخیرات (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہما اللہ) کا نتیجہ وعطر ہے۔ اگر آپ اس اسلوب کو وہاں کے محققین کے ہاں نہ دیکھیں تو سعی

کر کے اس نظر کو ان میں پیدا کریں، یہ آپ کا اور آپ کے اساتذہ کا فیض ہوگا جو اہلِ مصر کو آپ کے ذریعہ پہنچے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

باقی رہا جناب محترم صاحب زادہ صاحب کا معاملہ؛ اس کے متعلق سمجھنے کی سعی آپ کرنا چاہتے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ معاملہ ایک دریا بن گیا ہے، جس کی نہ تہہ معلوم ہے اور نہ اس کی روانگی کی بندش کی ابھی تک کوئی تدبیر معلوم ہوسکی ہے، کوششِ بشری پوری جاری اور تازہ بہ تازہ ضروریات کے مطابق نو بہ نو اقدامات کیے جا رہے ہیں، مگر انسان کیا اور اس کی سعیِ ضعیف کیا! ہنوز روزِ اول ہے، اور یہ بھی نہیں ہوتا کہ کامیابی سے مایوسی ہوجائے، اس لیے اس کو چھوڑا ابھی نہیں جاسکتا: ''نہ پائے رفتن و نہ جائے ماندن'' والا معاملہ ہے، تدابیرِ ظاہری جاری ہے اور تدابیرِ دعائی کی اس کے لیے سخت ضرورت! امید ہے کہ انفاسِ طیبہ سے اس کے متعلق دعا زیادہ سے زیادہ طلب کریں گے، خدا تعالیٰ بفضل وقوتِ خود ہم کو اس آزمائش سے رستگاری بخشے، آمین ثم آمین!

حمید میاں [۴]، جلال آباد میں بخیر ہیں، اور زمین کی آبادی (کی) جدوجہد میں وہ تقریباً ناکام! آج تک ایک پیسہ کی آمدنی نہیں ہوئی، وہ آمدنی سے زیادہ اس پر صرف کرتے ہیں، مجھ پر اس راہ سے چار ہزار افغانی کا قرض ہو چکا ہے، خدا ہی اپنے کرم سے اس قرض سے نجات عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

باقی عافیت ہے، بخدمت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب [۵]، قبلہ حضرت بابا مولانا سراج [۶]، مولانا احمد بزرگ [۷]، اور جملہ اساتذہ کرام (سے) سلامِ مسنون عرض ہے اور طلبِ دعا۔

فقط والسلام

منصور انصاری عفا عنہ (کابل)

حواشی

۱- مولانا محمد منصور میاں انصاری رحمۃ اللہ علیہ، دارالعلوم دیوبند کے فاضل، جید عالم دین، سیاسی رہنما اور تحریک آزادیِ ہند کے عظیم مجاہد گزرے ہیں، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریکِ ریشمی رومال کے صفِ اول کے قائد، بلکہ اس تحریک کی منصوبہ سازی میں شیخ الہندؒ کے دست راست اور ان کے قابلِ اعتماد شاگرد تھے۔ اسی تحریک کے سلسلہ میں سرزمینِ حجاز گئے، پھر ہجرت کا عزم کر کے افغانستان میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان کی کئی کتابیں ہیں، مثلاً: تفسیرِ مجملی سورۃ الفاتحہ، مراقبہ نماز، انواع الدول و حریت الملل، حکومتِ الٰہی، ضرورتِ ترجمۂ قرآن (فارسی) وغیرہ۔ انہوں نے شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن اور تفسیری فوائد کا فارسی میں ترجمہ کروا کر ''تفسیرِ کابلی'' کے عنوان سے کابل سے شائع کروایا۔ ۸ر صفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء کو کابل (افغانستان) میں وفات پائی، اور تدفین جلال آباد کے ایک معروف قبرستان میں ہوئی۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ''مرج البحرین'' سوانح شیخ الاسلام مولانا عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ، از مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی مدظلہم، ص: ۲۲۵-۲۲۶، اقرأ ایجوکیشن فاؤنڈیشن (شکاگو امریکہ، وممبئی انڈیا)۔ نیز ''سدا مہاجر'' سوانح مولانا منصور غازی رحمۃ اللہ علیہ، از ڈاکٹر عبید اقبال عاصم، اقرأ ایجوکیشن فاؤنڈیشن (شکاگو امریکہ، وممبئی انڈیا)۔

۲- جد امجد مولانا سید محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

۳- مولانا محمد منصور میاں انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے، مولانا حامد میاں انصاری، جو مولانا حامد الانصاری غازی کے نام سے معروف ہوئے، عظیم مفکر اور صحافی تھے، متعدد اخبارات وجرائد میں ادارتی سرگرمیاں انجام دیتے رہے، اور مفید کتابیں تالیف کیں، مثلاً: اسلام کا نظامِ حکومت (ندوۃ المصنفین، دہلی)، اور سیرتِ طیبہ پر ایک رسالہ ''خلقِ عظیم''۔ ان کی حیات وخدمات پر اقرأ ایجوکیشن فاؤنڈیشن (شکاگو امریکہ، وممبئی انڈیا) سے چار کتابیں شائع ہوچکی ہیں: ذکرِ غازی، فکرِ غازی، خطباتِ غازی اور نوید فردا (شعری انتخاب)۔ دیکھیے: ''مرج البحرین'' از مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی مدظلہم، ص: ۲۲۶۔

۴- قاری حمید میاں انصاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد منصور میاں انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے، مولانا انصاری کی خدمت کی غرض سے جلال آباد میں رہے۔ اگست ۱۹۸۹ء میں پشاور میں انتقال ہوا۔

دیکھیے: ''مرج البحرین'' از مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی مدظلہم، ص: ۲۳۲۔

۵- بظاہر مولانا عبدالرحمٰن امروہی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، جو اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ تقریباً سنہ ۱۲۷۷ھ میں ممبئی میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم مکہ مکرمہ میں پائی، مولانا احمد حسن امروہی سے استفادہ کیا، آخر میں دیوبند آکر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر وحدیث کے کچھ اسباق پڑھے اور ان کے آخری شاگردوں میں شمار ہوئے۔ مدرسہ شاہی مراد آباد، جامعہ اسلامیہ امروہہ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل جیسے اداروں میں ساٹھ برس تک تدریسی خدمات انجام دیں، کچھ عرصہ دار العلوم دیوبند میں بھی تدریس کی۔ ۲۲/ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۶۷ھ کو نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

دیکھیے: تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، از مولانا فضل الرحمٰن اعظمی، ص: ۳۴۴ و ۳۴۵، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان۔

۶- مولانا سید سراج احمد رشیدی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، سنہ ۱۲۸۴ء مطابق سن ۱۸۶۷ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے، میرٹھ کے ایک دینی ادارے ''مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ'' میں تعلیم حاصل کی۔ تدریسی خدمات دار العلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین (ڈابھیل، گجرات، انڈیا) وغیرہ میں انجام دیں۔ ۱۰/ ذو الحجہ سنہ ۱۳۵۶ھ کو ڈابھیل میں وفات پائی۔

دیکھیے: مجموعہ مقالات ومضامین، صد سالہ اجلاس جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، ۱/ ۳۵۷ تا ۳۴۰۔

۷- مولانا احمد بزرگ (اول) سملکی رحمۃ اللہ علیہ، دار العلوم دیوبند کے فاضل اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم اول تھے۔ غالباً ۱۲۹۸ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۳۷۱ھ میں وفات پائی۔

دیکھیے: تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، از مولانا فضل الرحمٰن اعظمی، ص: ۳۱۵ تا ۳۲۱، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان۔

حضرت مولانا محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

عزیز القدر سید محمد یوسف جان!

بنسبت سفرِ مصر وحج بیت اللہ جناب مولانا (محمد منصور میاں انصاری) صاحب سے مشورہ کیا، جناب موصوف نے اپنے نظریۂ مبارکہ کو بقیدِ تحریر لاکر بندہ کو ممنون فرمایا ہے، اور بندہ کی بھی یہی رائے ہے، بہ نسبت اس کے کہ ایامِ تعطیل میں پشاور جانا اس سال پسند نہیں کرتے ہو، بالکل درست ہے، مگر اُن کے خرچ کے لیے ضرور فکر رکھنا چاہیے، اور اگر آپ سفر پر گئے تو اس وقت گھر والوں کے خرچ کے لیے آپ نے کیا تدبیر سوچی ہے؟ اس سے مجھے مطلع کریں کہ خاطر جمع ہوں۔ میری حالت اس قابل اب تک نہیں ہے کہ گھر والوں کی کچھ امداد کرسکوں، میں یہاں نہایت جگر خونی سے اپنی گزر اوقات کررہا ہوں، در بارہ معاملہ معلومہ جناب مولانا صاحب نے حقیقت الحال بھی تحریر فرمائی ہے، میرے دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ خدا آپ کو سرفراز وکامیاب فرماویں۔ دیگر کیا عرض کروں؟ آپ کا خط میں نے ۲۱؍رجب کو مطالعہ کیا؛ کیونکہ چھ سات دن کے لیے میں جلال آباد گیا تھا، اور ۲۱؍رجب کو واپس کابل میں آیا، آپ کا خط ملا۔ اغلباً یہ خط آپ کو حیدر آباد میں ملے گا، اور اس سے پہلے بھی ایک خط آپ کو لکھا تھا، شاید آپ کو ملا ہوگا۔

فقط سید محمد زکریا از کابل

پس نوشت: کتابیں اب تک آغا گل کو نہیں ملی ہیں۔

بیماری اور عیادت

آداب واحکام

مولانا عبداللطیف قاسمی
بنگلور، انڈیا

دنیا دارالامتحان ہے، جس طرح ایمان سے محروم انسان کو ابتلا وآزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، اسی طرح صاحبِ ایمان کے لیے بھی ابتلا وآزمائش مقدر ہوتی ہے۔ اسلام کا تصور یہ ہے کہ بیماری اور شفا اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، فرماں بردار اور نافرمان کی کوئی تخصیص نہیں ہے، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بھی بیمار ہوئے ہیں، سید المرسلین اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی متعدد مرتبہ بیماری میں مبتلا ہوئے ہیں، وفات کے موقع پر تقریباً چودہ دن بیمار رہے، بیماری مومن کے لیے امتحان وآزمائش ہے، دنیا میں آزمائشیں بخشش اور مغفرت کے لیے آتی ہیں۔ حقیقت میں بیماری ایک نعمت ہے، گناہوں کے لیے کفارہ اور رفعِ درجات کا سبب ہے، بیمار کو اللہ اور بندوں سے معافی تلافی اور حقوق کی ادائیگی کے لیے ایک موقع دیا جاتا ہے:

> ''حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کی مثال نرم ونازک پودے کی سی ہے، جس کو ہوائیں اِدھر سے اُدھر جھکاتی رہتی ہیں، منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے، جس کی جڑیں زمین میں نہایت مضبوط ہوتی ہیں، ہوائیں اس کو اِدھر اُدھر جھکا نہیں سکتیں؛ یہاں تک کہ اس کو یکبارگی اُکھاڑ دیا جاتا ہے۔'' (بخاري، كتاب المرضى، باب كفارة المرض: ٥٦٤٣)

یعنی مومن کو غفلت سے بیدار کرنے اور اس کی اُخروی ترقی کے لیے بار بار آزمائشیں آتی رہتی ہیں، منافق اور بے ایمان کو مہلت دی جاتی ہے اور وہ غفلت کی زندگی میں مست ہوتا ہے؛ یہاں تک کہ اچانک اس کو موت آجاتی ہے، یا اس پر کوئی عذاب نازل ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے لیے توبہ، استغفار اور گناہوں سے معافی تلافی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

بیماری اور پریشانی گناہوں کے لیے کفارہ

حدیثِ قدسی میں وارد ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ إِنَّ الرَّبَّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ: وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا أُخْرِجُ اَحَدًا مِنَ الدُّنْيَا أُرِيْدُ اَغْفِرَ لَهٗ حَتّٰى اَسْتَوْفِيَ كُلَّ خَطِيْئَةٍ فِيْ عُنُقِهٖ بِسَقَمٍ فِيْ بَدَنِهٖ وَاِقْتَارٍ فِيْ رِزْقِهٖ، رَوَاهُ رَزِيْنٌ.‘‘ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض: ۱۵۸۵)

’’اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میری عزت اور جلال کی قسم! میں کسی شخص کو جس کی میں مغفرت کرنا چاہتا ہوں، اس کو دنیا سے نہیں نکالتا؛ یہاں تک کہ بدنی بیماری اور رزق کی تنگی میں مبتلا کر کے اس کی گردن پر موجود گناہوں سے اس بندے کو پاک وصاف نہ کر دوں۔‘‘

’’ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ، وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا اَذًى وَلَا غَمٍّ، حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ.‘‘

(رواه البخاري، كتاب المرضى: ٥٦٤١)

’’حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مسلمان کو جو تھکان، بیماری، غم ورنج، کوئی تکلیف اور غم حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔‘‘

’’عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهٗ اَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللهُ تَعَالٰى بِهٖ سَيِّئَاتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا.‘‘

(رواه البخاري، كتاب المرضى، باب أشد الناس بلاء: ٥٦٤٨)

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’کسی مسلمان کو بیماری، یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس تکلیف اور بیماری کی وجہ سے اس مسلمان کے گناہوں کو اس طرح (تیزی سے) گراتے ہیں، جس طرح درخت (موسمِ خزاں میں) اپنے سوکھے پتوں کو (تیزی سے) گراتا ہے، یعنی مسلمان کم وقت میں اپنے تمام گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔‘‘

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمِ سائب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: کیا بات ہے کہ تم لمبی لمبی سانس لے رہی ہو؟ انھوں نے کہا: بخار ہے، اللہ اس کو نامبارک بنائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخار کو

برا بھلا نہ کہو، کیوں کہ بخار انسان کے گناہوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جس طرح بھٹی لوہے کی گندگی کو دور کر دیتی ہے۔'' (مسلم، کتاب البر والصلة، باب ثواب المومن: ۲۵۷۵)

ابوالاشعث صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں صبح سویرے دمشق کی جامع مسجد پہنچا، میری ملاقات اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شداد بن اوس اور صنابحی رضی اللہ عنہما سے ہوئی، میں نے ان دونوں سے عرض کیا: اللہ تم پر رحم کرے، آپ حضرات کہاں جا رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: قریب میں ہمارا ایک بھائی ہے، اس کی عیادت کے لیے ہم جا رہے ہیں، تو میں بھی اُن کے ساتھ ہو گیا، پھر ہم لوگ چلے اور اس بھائی کے پاس پہنچے، ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مریض سے پوچھا کہ تم نے صبح کیسی کی؟ (خیریت سے ہو؟) اس مریض نے کہا: اللہ کے فضل سے صبح کی، (الحمدللہ خیریت سے ہوں) پھر حضرت شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گناہوں کو مٹانے والی اور معاف کرانے والی چیزوں سے خوش ہو جاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ: إِنِّيْ إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنًا، فَحَمِدَنِيْ عَلٰى مَا ابْتَلَيْتُهُ، فَإِنَّهُ يَقُوْمُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ مِنَ الْخَطَايَا، وَ يَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا قَيَّدْتُّ عَبْدِيْ، وَابْتَلَيْتُهُ، فَأَجْرُوْا لَهُ كَمَا كُنْتُمْ تُجْرُوْنَ لَهُ وَهُوَ صَحِيْحٌ.'' (مسند أحمد، مسند شداد بن أوس: ۱۷۱۱۸)

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب میں اپنے کسی مؤمن بندے کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ بندہ آزمائش میں بھی میری حمد وثنا بیان کرتا ہے، (تقدیر پر راضی رہ کر ثواب کی اُمید رکھتا ہے، صبر کرتا ہے، بے صبری، جزع وفزع اور شکوے شکایات سے احتراز کرتا ہے) تو وہ اپنی بیماری کے بستر سے (گناہوں سے پاک وصاف ہو کر) اس طرح اُٹھے گا، جیسے اس کی ماں نے اسے آج ہی جنم دیا ہو، اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرماتے ہیں: میں نے اپنے بندے کو عمل کرنے سے روک دیا تھا اور آزمائش میں مبتلا کر رکھا تھا؛ لہٰذا اس کے لیے اسی طرح اجر لکھا کرو جس طرح تم اس کی صحت کے زمانے میں اجر لکھا کرتے تھے۔''

بیماری رفعِ درجات کا ذریعہ

بیماری ایک طرح سے رحمت ہے، اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے اور جنت میں درجات بلند ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ بعض بندوں کے لیے آخرت میں بلند مقام کا فیصلہ کرتے ہیں؛ مگر ان کے پاس وہ اعمال نہیں ہوتے جن کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہو سکیں؛ اس لیے بسا اوقات بیماریوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر کے ان کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ آخرت کے اس بلند مقام کے اہل ہو جائیں۔

محمد بن خالد سلمی اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهِ، ابْتَلَاهُ اللهُ فِيْ جَسَدِهِ اَوْ فِيْ مَالِهِ اَوْ فِيْ وَلَدِهِ ثُمَّ صَبَّرَهُ عَلٰى ذٰلِكَ يُبَلِّغُهُ الْـمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللهِ. ‘‘

(رَوَاه اَبُودَاود، کتاب الجنائز، باب الأمراض المکفرۃ للذنوب: ۳۰۹۰)

’’اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے لیے کسی اونچے مقام کا فیصلے فرماتے ہیں، وہ بندہ اس مقام تک اپنے عمل سے پہنچ نہیں پاتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی مالی یا بدنی مصیبت و پریشانی میں مبتلا کرتے ہیں، پھر اس کو اس مصیبت پر صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں؛ یہاں تک کہ اس کو اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں جس کا فیصلہ خدا کی طرف سے اس بندے کے لیے ہوا ہے۔‘‘

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ پریشانیاں اور بیماریاں ہمارے لیے رفعِ درجات کا ذریعہ ہیں، بشرط یہ کہ ہم صبر و ہمت سے کام لیں اور ثواب کی اُمید رکھیں اور خدائی فیصلے اور تقدیر پر راضی رہیں۔

مصائب و امراض پر اجر و ثواب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عطا بن رباح رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: میں تمہیں جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: ضرور دکھایئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ سیاہ فام عورت ہے جو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: مجھ پر مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے، آپ میرے لیے اس مرض سے شفا کی دعا فرمائیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہارے لیے جنت ہے، اگر تم چاہو تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ تمہیں اس مرض سے نجات دے دے، اس عورت نے عرض کیا: میں صبر کروں گی، پھر اس نے یہ درخواست کی: مرگی کے دورے کے دوران میرا ستر کھل جاتا ہے، آپ بس اتنی دعا فرما دیجیے کہ دورے کے دوران میرا ستر محفوظ رہے، آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔‘‘ (رواه البخاري، کتاب المرضى، باب فضل من يصرع: ٥٦٥٢)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

’’يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يُعْطَى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ.‘‘ (رواه الترمذي، أبواب الزهد: ٢٤٠٢)

’’دنیا میں عافیت سے رہنے والے قیامت میں جب آزمائش والوں کو دیکھیں کہ ان کو خوب اجر و ثواب دیا جا رہا ہے تو وہ لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کے جسموں کو قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا اور ان کو بھی اسی طرح اجر و ثواب دیا جاتا، جیسے ان آزمائش والوں کو دیا جا رہا ہے۔‘‘

بیماری کے زمانے میں صحت کے زمانے کے اعمال اور اُن کا ثواب

ایک صحت مند انسان جن کاموں کو کرسکتا ہے، بیمار آدمی ان کو انجام دے نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ کا انتہائی فضل وکرم ہے کہ مؤمن بندہ کسی عمل کو پابندی اور اہتمام سے کرتا تھا، مرض، سفر یا کسی اور عذر کی وجہ سے وہ عمل چھوٹ جائے، تو بھی اس عمل کا جر وثواب اس کے لیے لکھا جاتا ہے:

’’حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ کوئی عبادت کرتا رہے، پھر بیمار ہوجائے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں: اس بندے کے لیے اس عمل کا ثواب بھی لکھو جو عمل وہ صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا؛ یہاں تک کہ میں اس کو صحت دے دوں، یا اپنے پاس بلالوں۔‘‘ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض:۱۵۵۹، مسند أحمد، مسند عبداللہ بن عمرو:٦٨٩٥)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب مومن بندہ کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتے سے فرماتے ہیں: ان نیک اعمال کو اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا کرو جن کو وہ (صحت کے زمانے میں) کیا کرتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو شفا وصحت عطا فرمادے تو اس کو گناہوں سے پاک وصاف فرمادیتے ہیں، اگر اس کو اپنے پاس بلالیں، تو اس کو معاف فرمادیتے ہیں اور اس پر رحم فرماتے ہیں۔‘‘ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض: ۱۵٦۰، مسند أحمد، مسند أنس بن مالكؓ: ۱۳۵۰۱)

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار تھے، ہم لوگ عیادت کے لیے حاضر ہوئے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رونے لگے، ہم نے آپ کو تسلی دی، تو آپؓ نے فرمایا: میں بیماری سے پریشان ہوکر نہیں رو رہا ہوں؛ اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بیماری گناہوں کے لیے کفارہ کے ذریعہ ہے؛ اس لیے بیماری سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ بیماری کمزوری کے زمانے (بڑھاپے کی عمر جس میں طاقت وقوت مفقود ہونے کی وجہ سے انسان عمل نہیں کرسکتا ہے) میں آئی ہے، محنت کے زمانے میں بیماری آتی، تو بیمار ہونے سے پہلے جو اعمال کرتا تھا، بیماری کے زمانے میں بھی ان اعمال کا اجر وثواب لکھا جاتا ہے (اس بات پر رو رہا ہوں)۔‘‘ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض:۱۵۸٦)

بعض بیماروں پر شہادت کی بشارت

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صحت آدمی کے لیے ہزار نعمت ہے، تمام دینی ومعاشرتی خدمات اہل

وعیال کی نگرانی، تجارت وکاروبار؛ بلکہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس کے لیے صحت کی ضرورت نہ ہو، اسی لیے ہر شخص یہ تمنا کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ صحت مندر رہے؛ لیکن بیماری انسان کے ساتھ لگی رہتی ہے، اس سے کوئی مفر نہیں؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص میں کوئی خیر نہیں جس کو کبھی بیماری آئی نہیں۔

لہٰذا ایمان والوں کو چاہیے کہ جب حالات سازگار ہوں، خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں، مالی وسعت اور تن درستی حاصل ہو تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں؛ بلکہ اس وقت بھی اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے؛ اس لیے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

جب کوئی دکھ، مصیبت اور بیماری پیش آجائے، تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں؛ بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں یہ یقین رکھیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے اور وہی ہم کو اس دکھ، مصیبت اور بیماری سے نجات دینے والا ہے۔

اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کے لیے ہے؛ لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف اُن اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جو چین وآرام اور مسرت وخوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کیے جاتے ہیں اور کوئی بیماری اور تنگی ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں۔

> ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت وآرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو دکھ اور رنج پہنچتا ہے، تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت پر یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے سراسر خیر اور موجبِ برکت ہوتا ہے۔'' (مسلم، کتاب الزهد والرقاق: ۲۹۹۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

> ''جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے، تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔''

(مجمع الزوائد، باب فی من صبر علی العيش الشديد: ۱۷۸۷۲)

صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی کے سامنے اظہار نہ کرے اور ایسے صابروں کے لیے اس حدیث میں مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان

وعدوں پر یقین اور اُن سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

صبرِ ایوب علیہ السلام

حضرت مولانا سید شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے دنیا میں ہر طرح سے آسودہ رکھا تھا، کھیت، مویشی، لونڈی، غلام، اولاد صالح اور بیوی مرضی کے موافق عطا کی تھی، حضرت ایوب علیہ السلام بڑے شکر گزار بندے تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا، کھیت جل گئے، مویشی مر گئے، اور اولاد اکٹھی دب کر مرگئی، دوست اور آشنا الگ ہوگئے، بطورِ خاص سالہا سال کسی سخت بیماری میں میں مبتلا کیے گئے، اس طویل بیماری کے زمانے کبھی بھی زبان پر ایک حرف شکایت نہیں لائے، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کی داد دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہم نے ایوب کو صبر کرنے والا پایا، وہ بہت ہی بہترین بندہ تھا اور (میری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا، حضرت ایوب علیہ السلام جیسے نعمت میں شاکر تھے، ویسے ہی بلا میں صابر رہے، پھر دعا کی: ''اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔'' (الانبیاء: ۸۳) رب کو پکارنا تھا کہ دریائے رحمت امنڈ پڑا، اللہ تعالیٰ نے مری ہوئی اولاد سے دگنی اولاد دی، زمین سے چشمہ نکالا، اسی سے پانی پی کر اور نہا کر تن درست ہوئے، بدن کا سارا روگ جاتا رہا اور جیسا کہ حدیث میں ہے: ''سونے کی ٹڈیاں برسائیں۔'' غرض سب طرح درست کر دیا، ایوب علیہ السلام پر یہ مہربانی ہوئی اور تمام بندگی کرنے والوں کے لیے ایک نصیحت اور یادگار قائم ہوگئی کہ جب کسی بندے پر دنیا میں برا وقت آئے، تو ایوب علیہ السلام کی طرح صبر و استقلال دکھلانا اور صرف اپنے پروردگار سے فریاد کرنا چاہیے، حق تعالیٰ اس پر نظرِ عنایت فرمائے گا۔'' (مستفاد: از تفسیر عثمانی، سورۃ الانبیاء: ۸۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللهَ إِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ.'' (رواه الترمذي، أبواب الزهد: ۲۳۹۶)

''بڑا انعام بڑی آزمائش پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتے ہیں، تو اس کو آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں، جو اس کے فیصلے سے راضی ہوتا ہے، اللہ اس سے راضی ہوتے ہیں، جو اس کے فیصلے سے ناراض ہوتے ہیں، اللہ ان سے ناراض ہوتے ہیں۔''

علاج ومعالجہ اور دعا بے صبری نہیں

اس دنیا میں تکلیف، دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام، خوشی اور مسرت بھی، تن درستی اور بیماری بھی ہے اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلے سے ہوتا ہے؛ اس لیے ایمان والوں کو چاہیے کہ جب تکلیف، مصیبت، پریشانی اور آزمائشیں آئیں، تو صبر وہمت سے کام لیں، ظاہری تدابیر اختیار کریں، خدا کی طرف رجوع کریں اور ان مصائب پر اجروثواب کی اُمید رکھیں، ان شاء اللہ حالات سازگار ہوں گے، اس کی بہترین مثال اللہ نے قرآن پاک میں حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعے میں بیان فرمائی ہے، یہی ہمارے لیے کافی ہے۔

مرض کے ازالے کے لیے ظاہری تدابیر اختیار کرنا، علاج ومعالجہ کرنا، ڈاکٹر، طبیب اور تیماردار کو اپنی بیماری اور تکلیف بتانا اور دعا کی درخواست کرنا، مریض کا شدتِ مرض کی وجہ سے کراہنا، صبر، تقویٰ اور توکل کے خلاف نہیں ہے، نیز اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، اللہ کے سامنے اپنے کمزوری اور عاجزی اور اپنی عبدیت وحاجت مندی کا اظہار کرنا، پریشانی اور بیماری سے شفا طلب کرنا بے صبری نہیں ہے؛ بلکہ یہ باتیں اللہ کو بہت پسند اور محبوب ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ کیجیے جب کہ انھوں نے (شدید مرض میں مبتلا ہونے کے بعد) پکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب سے زیادہ مہربان ہیں، پس اپنی مہربانی سے میری تکلیف اور بیماری کو دور کر دیجیے، ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے اپنے فضل سے اور عبادت گزاروں کی عبرت کے لیے ان کو دوبارہ ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اہل، اولاد اور مال ودولت عطا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے فرمایا ہے: حضرت ایوب علیہ السلام کی مذکورہ دعا توحید وعبدیت، عجز وانکساری پر مشتمل عجیب جامع دعا ہے۔'' (التفسیر القیم، الأنبیاء: ۸۳)

بے صبری یہ ہے کہ بیمار جزع وفزع کرے، تقدیر پر ناراضگی کا اظہار کرے اور مخلوق کے سامنے خالق کی شکایت کرے، خدا، رسول اور شریعت کو برا بھلا کہے، اللہ کی رحمت سے مایوس ہوجائے، مرض کی شدت کی وجہ سے کوئی نامناسب قدم اُٹھائے، یہ بے صبری ہے جو ممنوع ہے، مسلمان کی شان نہیں ہے، نیز جزع وفزع سے تکلیفیں، مصیبتیں، پریشانیاں اور بیماریاں دور نہیں ہوں گی، دنیا میں ان پریشانیوں میں مبتلا رہیں گے اور آخرت میں اجروثواب سے محروم ہوجائیں گے۔

عیادت کی اہمیت

دینِ متین جس طرح ہم کو خوشیوں میں دوسروں کا ساتھ دے کر ان کی خوشیاں بڑھانے کی ترغیب دیتا

ہے، اسی طرح دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھنے، اس میں شریک ہونے اور اس کے ازالے کی کوشش کرنے کی تلقین کرتا ہے، ایک مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان بھائی کو بیماری و پریشانی میں مبتلا دیکھ کر اس کے اندر رحم کے جذبات اُبھریں اور اس کی مصیبت کا اسے بھی احساس ہو، یقیناً ایک مسلمان کا دوسروں کی تکلیف کا احساس کر کے دل جوئی اور دل داری کی خاطر اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر عیادت کرنے میں اُس فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی اظہار ہوتا ہے کہ جس میں تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

عیادت اور مزاج پرسی سے آپسی تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے، ایک دوسرے کے تئیں ہم دردی اور غم خواری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، مریض، اس کے اہل خانہ اور رشتہ داروں کے دل میں عیادت کرنے والے کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اتحاد و یگانگت کی ایک اچھی فضا قائم ہوتی ہے، گویا سماجی اور دینی دونوں ضرورتیں اس سے پوری ہوتی ہیں، اگر بیماری کے علم کے باوجود مریض کی عیادت نہ کی جائے اور اس کی طرف بالکل توجہ نہ دی جائے، تو آپس میں عداوت، کدورت اور نفرت اور کم از کم بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔

عیادت مسلمان کا حق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینک کے جواب پر ''یرحمك الله'' کہنا۔'' (رواه البخاري عن أبي هريرةؓ، كتاب الجنائز، اتباع الجنائز: ۱۲۴۰)

اسلام نے بیمار پُرسی اور تیمارداری کو گناہوں کی بخشش اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بتایا ہے، کسی بھی بیمار کی عیادت کو اللہ تعالیٰ کی عیادت کے مترادف بتلایا گیا، اللہ تعالیٰ کی ذات اگرچہ ہر بیماری سے پاک ہے، اُسے کوئی بیماری و تکلیف ہرگز ہرگز لاحق نہیں ہوسکتی؛ لیکن عیادت کی فضیلت اُجاگر کرنے کے لیے اس طرح کی مثال بیان کی گئی؛ چناں چہ حدیثِ قدسی میں ہے:

> ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار رہا، تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا: اے پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ حالاں کہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تُو مجھے اس کے پاس پالیتا الخ۔'' (مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل عيادة المريض: ۲۵۶۹)

مریض دوست ہو، یا دشمن، امیر ہو، یا غریب، عیادت کو سنت، اخلاقی فریضہ اور مسلمان کا حق سمجھ کر نا چاہیے، آج عیادت کا دائرہ سمٹ کر رہ گیا ہے، معاشرے میں عیادت ایک رسم بن گئی ہے، لوگ اس وجہ سے عیادت کرتے ہیں کہ اگر میں نے عیادت نہیں کی تو اس کے گھر والے کیا سمجھیں گے؟! کوئی مال دار یا عہدہ دار یا

خاص رشتہ دار ہو تو اس کی عیادت کی جاتی ہے، اگر کوئی غریب ہے تو پڑوس میں ہونے کے باوجود ایک مرتبہ بھی مزاج پرسی اور اظہارِ ہمدردی نہیں کی جاتی؛ اس لیے کہ اس سے ہمارا کوئی دنیوی مفاد وابستہ نہیں اور نہ آئندہ اس کی کوئی توقع ہے۔ ہائے افسوس!

عیادت کے فضائل

’’عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمُ، لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ .‘‘

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ، کتاب البر والصلة، باب فضل العيادة:۲۵۶۸)

’’حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت کے لیے جاتا ہے، تو واپس ہونے تک وہ جنت کے باغات میں ہوتا ہے۔‘‘

یعنی عیادت کرنے والا جب سے عیادت کے لیے نکلتا ہے، تو واپس ہونے تک اس طرح ثواب کو حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے، جس طرح جنتی جنت کے باغات میں پھل توڑنے میں لگا رہتا ہے۔ (مرقاة المفاتيح، کتاب الجنائز:۱۵۲۷)

’’عَنْ ثُوَيْرٍ هُوَ ابْنُ اَبِيْ فَاخِتَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، قَالَ: اَخَذَ عَلِيٌّ بِيَدِيْ، قَالَ: انْطَلِقْ بِنَا إِلَى الْحَسَنِ نَعُوْدُهٗ، فَوَجَدْنَا عِنْدَهٗ اَبَا مُوْسٰى، فَقَالَ عَلِيٌّ: اَعَائِدًا جِئْتَ يَا اَبَا مُوْسٰى اَمْ زَائِرًا؟ فَقَالَ: لَا، بَلْ عَائِدًا، فَقَالَ عَلِيٌّ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ، وَإِنْ عَادَهٗ عَشِيَّةً إِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ، وَكَانَ لَهٗ خَرِيْفٌ فِي الْجَنَّةِ .‘‘

(رواه أبوداود والترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في عيادة المريض:۹٦۹)

’’حضرت ابوفاختہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: میرے ساتھ حسنؓ کی عیادت کے لیے چلو، (ہم حضرت حسنؓ کے گھر گئے) وہاں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ موجود تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا، ابوموسیٰ! آپ ملاقات کے لیے آئے ہو؟ یا عیادت کی غرض سے آئے ہو؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضرت حسن کی عیادت کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان صبح کے وقت کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے، شام تک ستر ہزار فرشتے عیادت کرنے والے کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں، اگر شام کے وقت

عیادت کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے عیادت کرنے والے کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں اوراس کے لیے جنت میں ایک باغ تیار کیا جاتا ہے۔‘‘

’’عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ عَادَ مَرِيْضًا اَوْ زَارَ اَخًا لَهٗ فِي اللهِ نَادَاهُ مُنَادٍ اَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا.‘‘ (رَوَاهُ الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في زيارة الإخوان:۲۰۰۸)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مریض کی عیادت کرے، یا کسی دینی بھائی سے ملاقات کرے، تو آسمان سے ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ تم نے اچھا کیا، تمہارا (عیادت وملاقات کے لیے) چلنا مبارک ہے اور تم نے (عیادت کرکے) جنت میں اپنے لیے ٹھکانہ بنالیا۔‘‘

علامہ طیبیؒ شارحِ مشکوٰۃ تحریر فرماتے ہیں: ’’اس روایت میں عیادت کرنے والے کے لیے تین دعائیں دی گئیں ہیں، یہ جملے خبریہ نہیں؛ بلکہ دعائیہ ہیں، پھر حدیث کا ترجمہ یوں ہوگا: تیرا بھلا ہو (دنیا وآخرت میں)، تو آخرت کے راستے پر (برائیوں سے بچتے ہوئے) بھلائی کے ساتھ چلے اور تیرا ٹھکانہ جنت بنے، گویا اس روایت میں عیادت کرنے والے کے لیے دنیا وآخرت کی بھلائی، نیکیوں کی توفیق کی اور حصولِ جنت کی دعائیں دی گئیں ہیں۔‘‘ (مرقات:۵/۱۵۷)

’’عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: عَادَنِي النَّبِيُّ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِعَيْنِيْ.‘‘ (أبو داود، كتاب الجنائز، باب العيادة من الرمد:۳۱۰۲)

’’حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں آشوبِ چشم کے مرض میں مبتلا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لے آئے۔‘‘

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرض بظاہر چھوٹا اور معمولی ہو، تب بھی مسلمان کی ہمدردی اور دلداری کے لیے عیادت مستحب ہے، اس پر بھی عیادت کرنے والے کو اجر وثواب ملے گا۔‘‘ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۵۵۱)

عیادت کا شرعی حکم

اسلام میں عیادت کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس بنا پر بعض فقہاء نے عیادت کو واجب قرار دیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی یہی ہے، علّامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’عیادت کا حکم اصلاً مستحب ہے، بعض اوقات بعض لوگوں پر واجب ہوتا ہے۔‘‘

(فتح الباري، كتاب المرضى، باب وجوب عيادة المريض:٥٦٤٩)

’’عیادت کا واجب یا مستحب ہونا حالات پر موقوف ہے، اگر مریض کے متعدد تیماردار موجود ہوں تو مستحب ہے، کوئی دیکھ ریکھ کرنے والا نہ ہوتو واجب ہے، علامہ بغویؒ نے یہی بات کہی ہے۔‘‘

(قاموس الفقه: ٤ / ٤١٨)

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ مریض کے ساتھ ہم دردی اور غم خواری کرے، اس کے احوال پوچھے اور جہاں تک ہو سکے، اس کا تعاون کرے، اسی کو عربی زبان میں عیادت کہا جاتا ہے، عیادت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بیمار کی مزاج پرسی کی جائے، یا تیمارداروں سے اس کے احوال معلوم کر لیے جائیں، عیادت کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مریض کے ساتھ مکمل غم خواری کی جائے، یعنی بیمار کے پاس پیسے کی کمی ہے اور اللہ نے وسعت دی ہے، تو پیسوں کے ذریعے اس کا تعاون کریں؛ تاکہ صحیح علاج کیا جا سکے، اگر خدمت کی ضرورت ہو تو خدمت کی جائے، صحیح ڈاکٹر کی رہنمائی کی جائے، اپنے علم کے اعتبار سے صحیح اور مفید مشورے دیے جائیں۔

تیمارداروں (اور مریض کے رشتہ داروں) پر لازم ہے کہ وہ اپنی وسعت و مالی استطاعت کے موافق مریض کی خدمت، اس کا علاج اور اس کی ضروریات کی تکمیل کریں، شریعت ہمیں بتاتی ہے کہ مریض بوجھ نہیں؛ بلکہ سببِ رحمت ہے، اس کی خدمت اور تیمارداری اجر وثواب کے حصول کا ذریعہ ہے۔ (اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۲۹)

عیادت کا طریقہ اور آداب

①- جب عیادت کے لیے جائے، تو باوضو جائے۔

②- اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت سے عیادت کی جائے، جاہ ومنصب، مال ومنال کی رعایت، یا ترکِ عیادت پر ملامت سے بچنے کی غرض سے عیادت نہ کی جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضو کرے، اچھا وضو کرے اور اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے (کسی دنیوی غرض سے نہ جائے؛ بلکہ محض رضائے الٰہی اور) ثواب کی نیت سے جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے ساٹھ سال کی مسافت کے بقدر دور کر دیتے ہیں۔‘‘ (أبو داؤد، کتاب الجنائز، باب في فضل العيادة على الوضوء: ۳۰۹۷)

③- مریض کے سامنے اس کو خوش کرنے والی باتیں کی جائیں، ایسی باتیں نہ کی جائیں جو اس کے دل کو تکلیف پہنچانے والی ہوں، یا اس کے فکر واندیشے میں اضافہ کرنے والی ہوں، مریض کو تسلی دے اور کہے ان شاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گے، کوئی بڑی بات نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت کے لیے جاتے، تو مندرجہ ذیل کلمات سے تسلی دیتے تھے:

’’ لاَ بَأْسَ، طَهُوْرٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ. ‘‘

(رواه البخاري عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، كتاب المرضى، باب عيادة الأعراب: ٥٦٥٦)

’’کوئی تکلیف یا گھبراہٹ کی بات نہیں ہے؛ اس لیے کہ بیماری گناہوں کی صفائی وستھرائی کا ذریعہ ہے، ان شاء اللہ (بہتر ہی ہوگا)۔‘‘

④- مریض کو صحت وتن درستی اور زندگی کی اُمید دلائے، مریض کو نا اُمید بنانے والی گفتگو سے احتراز کرے:

’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے عمر کی درازی اور لمبی زندگی کی بات کرو، عمر کی درازی کی بات سے اس کی عمر لمبی اور بیماری دور نہیں ہوجائے گی؛ لیکن بیمار خوش اور مطمئن ہوجائے گا۔‘‘ (رواه الترمذي، أبواب الطب: ٢٠٨٣)

⑤- مریض کے سر یا بدن کے جس حصے پر تکلیف ہو، اس جگہ داہنا ہاتھ پھیرے، احادیث میں بے شمار دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، انھیں پڑھ کر دم کرے، ذیل میں چند دعائیں ذکر کی جاتی ہیں، موقع و محل کی رعایت سے اُن کو پڑھ کر مریض پر دم کرے۔

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کی موت کا وقت قریب نہ آیا ہو، تین مرتبہ بسم اللہ پڑھے، پھر سات مرتبہ مندرجہ ذیل دعا پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے شفا کی دعا کرے، تو اللہ تعالیٰ اس مریض کو ضرور شفا عطا فرماتے ہیں:

’’اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ. ‘‘

(رواه الترمذي، أبواب الطب: ٢٠٨٣)

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا داہنا ہاتھ (بدن کے اس حصے پر) پھیرتے (جس جگہ تکلیف ہے) پھر مندرجہ ذیل دعا پڑھتے:

’’ اللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَاسَ، اشْفِهِ وَاَنْتَ الشَّافِيْ، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَمًا. ‘‘ (رواه البخاري، كتاب الطب، باب رقية النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: ٥٧٤٣)

’’اے اللہ! اے لوگوں کے پروردگار! تکلیف اور مرض کو دور فرما، اس مریض کو شفا نصیب فرما، آپ ہی شفا عطا فرمانے والے ہیں، ایسی شفا نصیب فرما جو کسی بیماری کو باقی نہ چھوڑے، سب کو دور کرے۔‘‘

’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد! تم بیمار ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! میری طبیعت خراب ہے،

پھر جبرئیل امین علیہ السلام نے مندرجہ ذیل دعا (جو نظر بد اور برے اثرات کے لیے نہایت مفید و مجرب ہے) پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دم کیا:

’’ بِاسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُؤْذِیْکَ، مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَیْنِ حَاسِدٍ، اللّٰہُ یَشْفِیْکَ بِاسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ. ‘‘

’’اللہ کے نام سے تم پر دم کرتا ہوں، ہر چیز کے شر سے جو تمہیں تکلیف پہنچائے، ہر نفس کے شر اور حاسد کی نظر بد سے، اللہ تمہیں شفا عطا فرمائے، اللہ کے نام سے تم پر دم کرتا ہوں۔‘‘

(رواہ مسلم، کتاب الآداب، باب الطب والمرض: ۲۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو (نظر بد اور انسانی وغیر انسانی اذیتوں سے حفاظت کے لیے) مندرجہ ذیل کلمات سے دم کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے بچے حضرت اسحاق اور اسماعیل علیہما السلام کو ان کلمات سے دم کیا کرتے تھے:

’’ أُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَھَامَّۃٍ، وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ، وَ یَقُوْلُ: ھٰکَذَا کَانَ إِبْرَاھِیْمُ یُعَوِّذُ إِسْحَاقَ وَإِسْمَاعِیلَ. ‘‘

(رواہ الترمذي، أبواب الطب، باب ما جاء في الرقیۃ من العین: ۲۰۶۰)

’’میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامہ (اس کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی نازل کردہ کتب) کے توسط سے شیطان مردود، ہر قسم کے زہریلے جانور اور ہر ملامت کرنے والی آنکھ (جو نظرِ بد کا سبب ہوتی ہے) سے تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔‘‘

۶- مریض کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

بعض مرتبہ مریض کو آرام یا بعض خاص ضروریات کی تکمیل کا تقاضا ہوتا ہے، بیمار اور تیماردار مہمان کے واپس ہونے کے انتظار میں رہتے ہیں، زبان سے کہہ نہیں سکتے، جس کی وجہ سے ان لوگوں کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، اس لیے مریض اور تیمارداروں سے چند تسلی کے کلمات کہہ کر چلے آنا چاہیے؛ البتہ اگر مریض خود خواہش مند ہو اور اہل خانہ کو بھی کوئی زحمت نہ ہو تو دیر تک بیٹھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

۷- مریض کے پاس شور وشغب نہیں کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ شور وشغب سے مریض کو بھی اذیت ہوتی ہے اور تیمارداروں کو بھی برا لگتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اَلْعِیَادَۃُ فَوَاقَ نَاقَۃٍ. ‘‘ (مشکوٰۃ، کتاب الجنائز، باب عیاۃ المریض: ۱۵۹۰)

’’عیادت دودھ دوہنے کے وقت کے بقدر ہونی چاہیے۔‘‘

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً مروی ہے: ''سب سے جلد واپسی والی عیادت سب سے افضل ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''عیادت میں سنت یہ ہے کہ مریض کے پاس کم وقت ٹھہرا جائے اور شور شرابہ نہ کیا جائے۔''

مریض کو سکون اور خاموشی کا ماحول اچھا لگتا ہے، شور وغل سے تکلیف اور اُلجھن محسوس ہوتی ہے؛ اس لیے عیادت کرنے والوں اور تیمارداروں کو غیر ضروری بات چیت سے احتراز کرنا چاہیے۔

'' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيْفُ الْجُلُوْسِ، وَقِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيْضِ رَوَاهُ رَزِيْنٌ .'' (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز: ۱۵۸۹)

''اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ مریض کو اس کے قریب رہنے سے خوشی حاصل ہوتی ہو، راحت ملتی ہو، یا کوئی ایسی شخصیت ہو جس سے حصولِ برکت کی اُمید ہو تو ان لوگوں کے مریض کے پاس دیر تک رہنا جائز ہے۔'' (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب عیاۃ المریض: ۱۵۹۰)

⑧- مریض کسی کھانے پینے کی چیز کی خواہش کرے اور وہ چیز اس کی صحت کے لیے نقصان دہ نہ ہو تو وہ چیز مریض کے لیے فراہم کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس بیمار سے فرمایا: کیا کھانا چاہتے ہو؟ بیمار شخص نے کہا: گیہوں کی روٹی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس گیہوں کی روٹی ہو، وہ اس مریض کے پاس بھیج دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مریض کسی چیز کے کھانے کی خواہش کرے، تو اس کو وہ چیز کھلا دے۔'' (ابن ماجة، كتاب الطب، باب المريض يشتهي الشيء: ٣٤٤٠)

⑨- جب عیادت کے لیے جائے تو مریض سے دعا کی درخواست کرنی چاہیے؛ اس لیے کہ مریض کی دعا قبول ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ، تو اس سے دعا کی درخواست کرو؛ اس لیے کہ مریض کی دعا (قبولیت میں) ملائکہ کی دعا کی طرح ہوتی ہے۔'' (ابن ماجة، كتاب الطب، باب المريض يشتهي الشيء: ٣٤٤١)

⑩- عیادت کے لیے مناسب وقت میں جائے؛ کیوں کہ بعض اوقات مریض اور تیماردار کے آرام اور ضروریات کے ہوتے ہیں؛ اس لیے ان چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ (فتح الباري، كتاب المرضى، باب وجوب عيادة المريض: ٥٦٤٩)

غیر مسلم کی عیادت

رسول اللہ ﷺ بچوں اور عورتوں یہاں تک کہ غیر مسلموں کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے جاتے تھے؛ اس لیے کہ انسانیت کی بنیاد پر وہ بھی ہمدردی کے مستحق ہیں، ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی عیادت کرنا تو اسلامی حق ہے؛ مگر اس سے آگے بڑھ کر انسانیت کی بنیاد پر بلاتفریقِ مذہب و ملت غیر مسلم برادرانِ وطن کی مزاج پرسی بھی اجر وثواب سے خالی نہیں، اگر اس میں تبلیغِ اسلام کی نیت کر لی جائے تو پھر نور علی نور۔ اس کے بہتر اور مفید نتائج سامنے آتے ہیں۔

ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا، رسول اللہ ﷺ اس یہودی لڑکے کی خبر گیری اور عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: اسلام قبول کرلو، (اس کا باپ بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا) وہ یہودی لڑکا اپنے باپ کو دیکھنے لگا، باپ نے کہا: بیٹا ابوالقاسم ﷺ کی بات مان لے، بیٹے نے فوراً کلمہ پڑھا، اور انتقال کر گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الحمد لله الذي أنقذه من النار.'' تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے اس بچے کو جہنم سے بچالیا۔'' (رواه البخاري عن أنس، كتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي، فمات: ١٣٥٦)

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

امام العصر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا اُسلوبِ نگارش!

مولانا محمد سفیان عطاء
ڈیرہ غازی خان

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہر تحریر علوم ومعارف کا گنجینہ ہوتی ہے، جس کے حقائق ودقائق کا یہ عالم ہے کہ ان کے ایک ایک جملہ پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مستقل رسالہ لکھ سکتے تھے، تبھی تو وہ اُنہیں ''حجة الإسلام'' قرار دیتے تھے۔ شاہ صاحبؒ کی تحریرات اس کی بین گواہ ہیں کہ ان کی طرف جومقولہ منسوب ہے، اس کی صحت میں کوئی اشکال نہیں۔ فرماتے تھے کہ رمضان میں بمشکل ایک بار تلاوتِ قرآن کر پاتا ہوں کہ صدیوں کے علوم ومعارف اپنے تمام تر تنوع، اقسام، اختلاف اور توسع کے ساتھ ان پر آوارد ہوتے، اس پر مستزاد اُن کا اَخّاذ ذِہن، قوتِ استنباط واستخراج، وسعتِ فکر! اللہ اللہ کیا عالم ہوگا!؟

یقیناً اگر اکابر کی خواہش پر شرح بخاری وترمذی پر اُنہیں قلم اُٹھانا میسر آجاتا تو ماضی کی علمی یادگاریں قصہَ پارینہ بن جاتیں۔ علمی مقام ومرتبہ کے تعیُّن میں بڑے بڑے نام ان کے بعد لیے جاتے: ''كم ترك الأول للآخر'' دُہرایا جاتا، اور ''وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ'' کی تفسیر سامنے آتی:

هيهات لايأتي الزمان بمثلهٖ إن الزمان بمثلهٖ لبخيلُ

افسوس کہ یہ فقیر اِنشائی اسلوب، ذخیرۂ الفاظ اور شاہ صاحبؒ کے مقام ومرتبہ کے اظہار کے لیے ضروری مواد سے تہی دامن ہے اور اسی شعر پر اکتفا کرتا ہے:

تمنيت أن القلب كان لساني يبوح بشيء يحتو يه جناني
فإنني إذا مارمت إظهار فضلكم تقصر عنه منطقي و بياني

شاہ صاحبؒ نے ۱۳۳۸ ہجری میں بعمر ۴۶ سال فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ایک رسالہ بنام ''فصل الخطاب'' لکھا، جس میں انہوں نے اپنے بحرِ مواج کے ترجمان قلم سیال سے فاتحہ خلف الامام

کے موضوع پر نبی کریم ﷺ کی غرض تک پہنچنے کی سعی کی۔ مناظرانہ غرض اُن کے پیش نظر نہ تھی۔ (کتاب مذکور، ص:۷، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ، ۲۰۱۰ء)

کتاب میں انہوں نے دراصل اس موضوع پر آنے والی جملہ روایات کے الفاظ و جملوں کا باہمی ربط، ان پر وارد ہونے والے نحوی، منطقی، بیانی، فقہی، حدیثی روایتاً و درایتاً، لفظی معنوی اشکالات، تعارض اور تناقض کا حل پیش کیا ہے۔ اور اپنے مشہور مقولہ ''فإن الحديث إذا لم تجمع طرقهٗ، لاينكشف مرادهٗ'' (فيض الباري۱: ٤٣٢) کو چمکتے سورج کی طرح عیاں کیا ہے اور انہی علوم میں اپنی اجتہادی صلاحیتوں سے استخراج اور استنباط سے متعدد نئی مباحث کو چھیڑا ہے۔ شاید علامہ کوثری مرحوم نے اسی کتاب کو پڑھ کر کہا ہوگا کہ: ''ابن ہمامؒ کے بعد کوئی شخص سوائے امام العصر کے ایسا نہیں آیا، جو احادیثِ نبویہ سے ایسی نادر مباحث پیش کرسکتا ہو۔''

موضوعِ تحقیق کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے ان مباحث پر گفتگو کی ہے:

قراءت سے مراد فاتحہ کی قراءت ہے، یا سورت آخر کی، یا دونوں کی؟ ان کا حکم شرعی اباحت ہے یا وجوب؟ یہ حکم شرعی دونوں کا ہے یا ایک کا؟ حکم میں یکسانیت ہے یا نہیں؟ حکمِ شرعی کا تعلق امام سے ہے، مقتدی سے ہے، منفرد سے ہے، یا سب سے، یا بعض سے؟

اس موضوع پر رواتِ حدیث کے یہاں ملنے والے تمام الفاظ کو نقل کرتے ہوئے ان پر محاکمہ، ادلۂ موافق ومخالف کا بیان، تعارض وتناقض کا حل پیش کرتے ہوئے محققین، ائمہ مجتہدین، ائمہ فقہ، تفسیر، حدیث، رجال، ادب، اصول، منطق کی نقول کی روشنی میں معانیِ راجحہ ومرجوحہ کا تعین کرتے ہوئے اُن کے تعیُّن پر قرآن وحدیث، اشعار ومحاورات اور ادلۂ عقلیہ کے ساتھ اپنے فیضِ خاطر سے لطیف استنباطات کو پیش کیا ہے۔ بلاشبہ علامہؒ کی تحریرات پڑھ کر یہ خیال آتا ہے کہ اپنے اپنے زمانہ کے علومِ مختلفہ کے گنے چنے ائمہ فن محققین کے دماغ خود میں سموئے اس نابغۂ جہاں نے قلم اُٹھایا ہوگا:

وليس على الله بمستنكر أن يجمع العالم في واحد

''فصل الخطاب'' کی ایک مختصر فصل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تحریر علومِ انوری کی تقریب کے لیے رقم کی گئی ہے۔ اس میں بین القوسین عبارات ہماری طرف سے بغرضِ تسہیل وتفہیم پیش کی گئی ہیں۔

فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر، حدیثِ عبادہ میں ایک جملہ ہے:

''لاتفعلو إلابأم القرآن؛ فإنهٗ لاصلاة لمن لم يقرأبها.'' اس کی توضیح کرتے ہوئے حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ:

''فصل: ويحتمل أن يكون الاستثناء للإباحة. ثم قوله : فإنه لا صلاة لمن لم

يقرأ بها تعليم لحكم آخر مستقل من حيث كونهم مصلين، لا من حيث كونهم مقتدين، أراد الإخبار بهٰذا و بهٰذا، وهو وجو بها في الصلاة المطلقة، ولعل ضمير الشأن يأتي لمثل هٰذا، وعلمان خير من علم.

والإباحة على تقدير كون القصر للقلب، أو للتعيين أظهر، ولا ينافيه قصر الإفراد أيضاً. والباء في قوله: إلا بأم القرآن داخلة على المفعول به، والمراد الاقتصار عليها، بخلاف قولهٖ : "فإنهٗ لا صلاة لمن لم يقرأ بها" أي لم يأت بها في جملة القراءة. ونظيرهٗ في تعليم أمرين قولهٗ تعالىٰ : ''وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى'' أشكل وجهه، والوجه فيه أن قوله : ''وَتَزَوَّدُوْا'' أمر، وقوله : ''فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى''تعليم أمر آخر، وحكم ثان لهم، فقد كانوا أخذوا السؤال زاداً، فعلمهم أن يتزودوا، وأن خير الزاد: التقوى، والمراد بها معناها المعروف.

ففي الدر المنثور : وأخرج عبد بن حميد عن قتادة : وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى، قال : كان ناس من أهل اليمن يحجّون، ولا يتزوّدون، فأمرهم الله بالزاد والنفقة في سبيل الله، وأخبرهم أن خير الزاد التقوى.

وأخرج الترمذي والحاكم عن أنسؓ قال: جاء رجل، فقال: يا رسول الله! إني أريد سفراً، فزوّدني، فقال: زوّدك الله التقوى، قال : زدني، قال: وغفر ذنبك، قال: زدني بأبي أنت وأمي، قال:ويسر لك الخير حيثما كنت . وأخرج الترمذي وحسنهٗ، والنسائي وابن ماجة والحاكم وصحّحه عن أبي هريرةؓ، قال: جاء رجل إلىٰ رسول الله ﷺ يريد سفراً، فقال : أوصني، قال: أوصيك بتقوى الله، والتكبير على كل شرف .... إلخ . وليس المعنى أن خير زاد يكون هو ما يتّقى به عن السؤال. و في قنوت الوتر على مختار الحنفية، وهما سورتان من مصحف ابن مسعودؓ، وأبيؓ، كما في الكنز و الإتقان: نرجو رحمتك، ونخشى عذابك، إن عذابك بالكفار ملحق، فهٰذا وجه. وأكثر ما يقع هٰذا فيما يريد المتكلم مسايرة الواقعة، وإفادة ما عندهٗ. نبّه عليه في أحكام القرآن في قولهٖ تعالىٰ: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ.''

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

''اس بات کا احتمال ہے کہ یہاں ''لا تفعلوا إلا بأم القرآن''میں استثناء اباحت کے لیے ہو

اور اگلا جملہ ''فإنه لا صلاۃ لمن لم یقرأ بها'' مستقل طور پر ایک نئے حکم پر مشتمل ہو، کیونکہ مخاطب جماعت دو حیثیتیں رکھتی تھی، ایک حیثیت مقتدی کی تھی، دوسری مطلق نمازی ہونے کی، چنانچہ ان دونوں حیثیتوں کا اعتبار کرتے ہوئے دو حکم دیے گئے: ایک یہ بتایا گیا کہ مقتدی کی حیثیت سے قراءتِ فاتحہ مباح ہے اور دوسرا یہ کہ مطلق مصلی کی حیثیت سے قراءتِ فاتحہ واجب ہے۔ شاید ضمیرِ شان اسی چیز کا فائدہ دے رہی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے ص: ۱۳۲ پر ائمہ نحو و بلاغت کی نقول پیش کی ہیں کہ ضمیرِ شان تاکید کا فائدہ دیتی ہے اور تاکید کا استعمال تب ہوتا ہے جب مخاطب اور متکلم میں اختلاف ہوتا ہے۔ (اور دو علم ایک علم سے بہتر ہیں۔) دو جملوں کے ایک حکم سے متعلق ہونے سے بہتر ہے کہ ان کو دو مستقل احکام سے متعلق کیا جائے۔

اور چونکہ یہاں پر نفی و استثناء کے ساتھ جملہ استعمال ہوا ہے، جو علم البیان میں قصر کی علامت قرار پاتی ہے اور قصر کی تین اقسام ہیں، تو علامہؒ فرماتے ہیں کہ: تینوں اقسام یہاں پر مراد لی جاسکتی ہیں (چنانچہ یہاں پر قصرِ قلب) گویا مخاطب وجوبِ قرات کا قائل تھا، متعدد صحابہؓ کا اقتداءِ نبوی میں فاتحہ پڑھنا بعض کے التزام کا پتا دیتا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اعتقاد کے برعکس اباحت کا حکم دیا، (اور قصرِ تعیین کی صورت) جس میں مخاطب حکمِ وجوب و اباحت کے درمیان متردد تھے، بعض صحابہؓ کا فاتحہ پڑھنا، بعض کا نہ پڑھنا اُن کے تردد کی علامت ہے (میں حکمِ اباحت مراد ہونا اظہر ہے، اور بصورت قصرِ افراد، اگرچہ حکمِ اباحت اَظہر نہیں، لیکن اس کے مراد ہونے کے منافی بھی نہیں)، چنانچہ قصرِ افراد کی صورت میں مخاطب فاتحہ اور غیر فاتحہ دونوں پڑھنے کا اعتقاد رکھتے تھے، جیسا کہ روایت میں ہے کہ مقتدی نے ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' پڑھی تو شارع نے صرف فاتحہ کا تعین کیا۔

اور پہلے جملے میں باء چونکہ مفعول پر داخل ہے، اس لیے فقط فاتحہ ہی مراد ہے، جن روایات میں فقط فاتحہ کی اجازت مصرح ہے، وہ اس کی دلیل ہیں۔ اور دوسرے جملے میں فی الجملہ قراءتِ فاتحہ مراد ہے؛ کیونکہ یہاں نفیِ کمال مراد ہے، نفیِ صحت مراد نہیں ہے، تبھی درست ہوسکتی ہے کہ یہاں وجوبِ فاتحہ مراد لی جائے، کیونکہ فاتحہ ترک کرنے کے ساتھ کسی نے دوسری آیات کی قراءت کرلی تو فرض کی ادائیگی ہوجائے گی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس جملہ میں قراءتِ فاتحہ سے مراد فی الجملہ وجوبِ قراءتِ فاتحہ ہے، اور نفی کا جملہ کمالِ نفی کے لیے ہے، نفیِ صحت کے لیے نہیں، ورنہ ترکِ فاتحہ مع قراءتِ سورت سے نماز نہ ہوتی۔ نیز علامہ ابن القیمؒ نے بھی ''بدائع الفوائد'' میں یہی معنی مرد لیا ہے، جسے حضرت شاہ صاحبؒ نے صفحہ: ۵۳ پر نقل کیا ہے۔ نیز جس طرح یہ دونوں جملے لفظاً مستقل ہیں، ویسے ہی معنیً بھی مستقل ہیں، چنانچہ ایک میں اباحت، دوسرے میں وجوب ہے، ایک میں اقتصار، دوسرے میں غیر اقتصار معنی مراد ہے۔ اور اس بات کی

نظیر کہ اس طرح کے جملوں (یعنی بظاہر علت معلول کا فائدہ دیتے جملوں) میں دونوں جملے مستقل معنی وحکم رکھتے ہوں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى'' اب اس میں دونوں جملے علت ومعلول ہونے کا خیال دیتے ہیں، لیکن (پہلے جملے کی طرح دوسرا بھی مستقل الگ جملہ ہے، چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لوگ بغیر زادِ راہ لیے حج کو جاتے تھے اور لوگوں سے ضرورت پڑنے پر مانگنے کو ہی بطور زادِ راہ بنائے ہوئے تھے، تو قرآن مجید نے ان کو نصیحت کی کہ وہ زادِ راہ لیا کریں اور ساتھ ہی ایک افادہ فرمایا کہ: بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور تقویٰ سے یہاں مراد تقویٰ عن السوال نہیں ہے، بلکہ تقویٰ معروف (یعنی گناہوں سے بچنا) ہے۔ اور ظاہر ہے اس معنی کے لحاظ سے یہ پہلے جملے کی تعلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اگرچہ مُوہم ضرور ہے۔

(رہی تقویٰ کے اس معنی میں مراد ہونے کی دلیل تو) ''درِمنثور'' میں قتادہؒ سے مروی ہے کہ یمن کے لوگ حج کیا کرتے تھے اور زادِ راہ نہیں لیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ زادِ راہ اور نفقہ لیا کریں اور یہ خبر دی کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، چنانچہ راوی کا اسلوبِ بیان اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہاں پر دونوں جملے مستقل ہیں، اور مستقل حکم رکھتے ہیں۔

''ترمذی'' و''مستدرک'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''ایک شخص نے سفر کا ارادہ کیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھے زادِ راہ دیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے فرمایا کہ: ''زوّدك الله التقوى.'' (تو اس جملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ معروف کے لیے تزوّد کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زادِ راہ کے لیے تقویٰ معروف کو استعمال کیا گیا ہے۔)

اسی طرح ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح نقل کی ہے کہ: ''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس کا سفر کا ارادہ تھا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تقویٰ کی نصیحت کی۔'' اس سے معلوم ہوا کہ آیتِ قرآنی کا دوسرا حصہ تقویٰ معروف کے معنی میں لیا جا سکتا ہے، جبکہ شانِ نزول کے مطابق آیت کا حصہ اولیٰ زادِ سفر معروف معنوں میں مراد لیا گیا ہے، جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ دونوں جملے بظاہر علت معلول نظر آتے ہیں، اور ایک حکم سے مرتبط معلوم ہوتے ہیں، لیکن اپنی حقیقت میں یہ دو مستقل جملے ہیں۔ (اسی طرح ایک نظیر) دعاءِ قنوت ہے، جو کہ حنفیہ کے مختار مسلک کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ واُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف کے مطابق دو سورتیں تھیں، جیسا کہ ''کنز'' اور ''إتقان'' میں ہے۔ پیشِ نظر رہے کہ حنفیہ کے یہاں دعاءِ قنوت کے قرآنِ منسوخ ہونے یا دو سورتیں ہونے کو علامہؒ نے افادۂ مزید کے طور پر پیش کیا ہے۔ علامہؒ کے دعویٰ، صحتِ دعویٰ یا دلیلِ دعویٰ میں

ان اُمور کا کوئی تعلق نہیں، چنانچہ اس دعا میں ہے: ’’نرجو رحمتك ونخشى عذابك، إن عذابك بالكفار ملحق‘‘ اب اس دعا کا آخری جملہ ماقبل جملے سے علت ومعلول کے ربط سے مرتبط نظر آرہا ہے، لیکن اپنی حقیقت کے لحاظ سے یہ دو مستقل جملے ہیں، کیونکہ پہلے میں مسلمان عذاب سے پناہ مانگ رہے ہیں اور دوسرے میں کفار کے معذب ہونے کی بات ہے۔ (یہ حدیث کی ایک توجیہ ہے) عموماً اس طرح کا اُسلوب ان مواقع پر ہوتا ہے جہاں پر متکلم ایک واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اپنی طرف سے کوئی اضافی فائدہ بیان کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ ’’أحكام القرآن‘‘ میں آیت ’’یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ‘‘ کے تحت اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیثِ عبادہ میں دونوں جملے مستقل حکم رکھتے ہیں، پہلا جملہ اِباحت اور دوسرا وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ نے حدیث کے اس جملہ کی تشریح میں:

۱- علمِ معانی (مبحث قصر)
۲- علمِ بیان (اسلوب بیان)
۳- علمِ نحو (ضمیرِ شان)
۴- علمِ فقہ (فقہی حکم کا تعیُّن)
۵- علمِ منطق (علت ومعلول)
۶- علمِ اللسان والمحاورۃ (بیانِ محاورہ، وتعیینِ معنیٰ تقویٰ)
۷- اُصولِ فقہ (احکامِ مختلفہ کے مابین رفعِ تعارض پیش کرنا، درست معانی کا تعین کرنا)
۸- علمِ حدیث روایت (نقل روایت مع الحکم علیہ)
۹- علمِ حدیث درایت (تفہیم روایت بالطریق الاجتہادی)
۱۰- علمِ المصاحف (ابن مسعودؓ واُبیؓ)
۱۱- علمِ تفسیر (آیاتِ مذکورہ کی تفسیر)
۱۲- علمِ الناسخ والمنسوخ (دعاءِ قنوت سے استدلال)

سے استفادہ کرتے ہوئے یہ چند سطری مبحث ان حوالہ جات سے پیش کیا ہے:

①- ’’قرآن مجید‘‘	②- ’’احکام القرآن‘‘
③- ’’درِ منثور‘‘	④- ’’الاتقان فی علوم القرآن‘‘
⑤- ’’ترمذی‘‘	⑥- ’’نسائی‘‘

⑦- ''ابن ماجہ'' ⑧- ''مستدرک''

⑨- ''کنز العمال''

انصاف یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تعریف میں جو کہا گیا، شاہ صاحبؒ اس مقامِ عالی سے کہیں اوپر ہیں، جو مثالیں کبار اہلِ علم کے نام سے ان کے لیے پیش کی گئیں، ان میں وسعت کی بڑی گنجائش ابھی باقی ہے، فرحمة الله عليه و اسعة.

کتاب کی یہ ایک چندسطری ''فصل'' اس مناظرے کی شاہدِ ناطق ہے، جس میں شاہ صاحبؒ نے میرٹھ کے اہلِ حدیث عالم غالباً مولانا احمد اللہ یا حمید اللہ میرٹھی صاحب سے اس طرز پر مناظرہ کیا کہ مسلسل دو تین گھنٹے فاتحہ خلف الامام کی روایات پر کلام کرتے رہے، اور پھر ان سے جوابی تقریر کرنے کو فرمایا، تو وہ مبہوت ہو گئے کہ مجھے تو کچھ یاد تک نہیں۔ (تصویرِ انور) یقیناً سچ کہا گیا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تحریر سمجھنے کے لیے اسے سینکڑوں بار پڑھنا پڑتا ہے۔ اور بلاشبہ اگر کسی کی زندگی کا کل سرمایہ اس جیسی کتاب ہو تو اسے طبقات الفقہاء والمحدثین میں ذکرِ دوام میسر ہو جائے:

أولئك آبائي فجئني بمثلهم إذا جمعتنا يا جرير المجامع

فائدہ

حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک معاصر مولانا عبداللہ صاحب روپڑی نے ''فصل الخطاب'' کی تردید میں ایک حاشیہ ''الكتاب المستطاب'' کے نام سے لکھا، جس میں انہوں نے شاہ صاحبؒ پر نقد میں غیر علمی رویہ اپنایا، لفظی معنوی رکیک جملے کسے ہیں، اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے زیرِ بحث فصل میں ان کے نقود ملاحظہ ہوں۔ بین القوسین عبارات اُن کی نقل کی گئی ہیں۔ ساتھ ہی مختصر اشاراتی جوابات عرض کیے گئے ہیں:

●[روایت کو دو مختلف معانی پر محمول کرنا مولانا انور شاہ کی اختراع ہے۔]●

حالانکہ یہ کوشش ادلۂ مختلفہ کے مابین رفعِ تعارض و تطبیق کی ایک صورت تھی اور اس جواب کے ایک جزء پر علامہؒ نے معقول و منقول ادلۂ ثابتہ پیش کی ہیں۔

●[''تقویٰ کا معنی لغوی مراد ہو یا شرعی، دونوں صورتوں میں استدلال درست نہیں۔ اجلہ مفسرین نے تقویٰ عن السوال مراد لیا ہے۔ تقویٰ کے معنی کے تعین پر مولانا انور شاہ نے جو روایات نقل کی ہیں، وہ بے محل ہیں۔'']●

علامہؒ کی پیش کردہ احادیث کے مقابلہ میں اقوالِ علماء کو ترجیح دے رہے ہیں، اور قرآن کی تفسیر

میں حدیث کی اولیت سے انہیں ذہول ہوگیا ہے۔

●(''دونوں صورتوں میں یعنی معنی لغوی وشرعی مراد ہونے کی صورت میں جملہ ثانیہ خبرِ مستقل نہیں ہے۔'')●

یہ محض دعویٰ ہے، جو شاہ صاحبؒ کے ادلہ کے پیش قابل ذکر بھی نہیں۔

●[''مولانا انورشاہ نے ''إن عذابك بالكفار ملحق'' کو ایک الگ سورت قرار دینے کا وہم دیا ہے اور یہ غلط ہے۔ سورت ''اللّٰهم إياك نعبد'' سے شروع ہوتی ہے، جیسا کہ ''کنز'' و''إتقان'' میں ہے۔'']●

حالانکہ شاہ صاحبؒ نے اپنے استدلال کا متعلقہ حصہ نقل کیا ہے۔ ان کی عبارت میں کہیں یہ نہیں کہ یہ جملہ مستقل سورت ہے۔ سورتِ قنوت ایک ہو، یا دو، ان کے استدلال میں کوئی فرق نہیں پڑتا، انہوں نے افادۂ مزید کے طور پر یہ لکھ دیا ہے کہ قنوت' حنفیہ کے یہاں دو سورتیں ہیں۔

●[''زیرِ بحث حدیث میں دوسرے جملہ میں فاتعلیلیہ ہے، جب کہ دعاء قنوت میں فاتعلیلیہ نہیں، لہٰذا استدلال درست نہیں۔ قیاس' قیاس مع الفارق ہے۔'')●

حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہاں فاء تعلیلیہ کا ذکر ہی نہیں کیا، اور نہ علت پر فاء کا داخل ہونا ضروری ہے اور نہ صحت استدلال میں اسے کوئی دخل ہے، بلکہ آیاتِ قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علت پر فاء کا داخل ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ محی الدین درویشؒ نے لکھا ہے:

''وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ (الواو عاطفة، واستغفروا الله، فعل وفاعل ومفعول به) إِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (إن واسمها وخبراها، والجملة تعليلية لا محل لها.''

(إعراب القرآن وبيانه: ۱/ ۲۹۷)

یعنی ''وَاسْتَغْفِرُوْا اللهَ، إِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' میں دوسرا جملہ علت ہے۔

اسی طرح سورت نوح کی تفسیر میں رقم کرتے ہیں:

''(فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا) الفاء عاطفة وقلت فعل وفاعل واستغفروا فعل أمر مبني على حذف النون والواو فاعل وربكم مفعول به وإن واسمها وجملة كان خبرها واسم كان مستتر، تقديرهٗ هو، و ''غَفَّارًا'' خبرها وجملة ''اسْتَغْفِرُوْا'' مقول القول وجملة ''إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا'' لا محل لها، لأنها تعليل للاستغفار.''

(أيضا: ۱۰/ ۲۲۷)

یعنی ''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا'' میں دوسرا جملہ علت ہے۔

نیز اس آیت کے دوسرے جملہ میں جملہ تعلیلیہ میں ضمیرِ شان بھی آئی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے لکھا

کہ ضمیرِ شان' مخاطب کے اعتقاد کے برعکس مواقع پر لائی جاتی ہے، چنانچہ مفسرین نے لکھا کہ قومِ نوحؑ کہتی تھی کہ ہمارے ان معاصی کے باوجود ہماری توبہ کیسے قبول ہوسکتی ہے؟ تو اس پر یہ ارشاد ہوا، رازیؒ لکھتے ہیں:

''وهاهنا سُؤالَاتٌ: الْأَوَّلُ: اَنَّ نُوْحًا عليه السلام اَمَرَ الْكُفَّارَ قَبْلَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ بِالْعِبَادَةِ وَالتَّقْوٰى وَالطَّاعَةِ، فَاَيُّ فَائِدَةٍ فِيْ اَنْ اَمَرَهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالْاِسْتِغْفَارِ؟ الْجَوَابُ: اَنَّهُ لَمَّا اَمَرَهُمْ بِالْعِبَادَةِ قَالُوْا لَهُ: إِنْ كَانَ الدِّيْنُ الْقَدِيْمُ الَّذِيْ كُنَّا عَلَيْهِ حَقًّا فَلِمَ تَأْمُرُنَا بِتَرْكِهِ، وَإِنْ كَانَ بَاطِلًا فَكَيْفَ يَقْبَلُنَا بَعْدَ اَنْ عَصَيْنَاهُ؟ فَقَالَ نُوْحٌ عليه السلام: إِنَّكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ عَصَيْتُمُوْهُ وَلٰكِنِ اسْتَغْفِرُوْهُ مِنْ تِلْكَ الذُّنُوْبِ، فَإِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ كَانَ غَفَّارًا)'' (التفسير الرازي: ٣٠/ ٦٥٢)

ثابت ہوا کہ حدیثِ عبادہ میں ضمیرِ شان کی بابت علامہؒ کا استدلال صرف ائمہ بلاغت پر موقوف نہیں، بلکہ قرآن مجید سے بھی مؤید ہے۔

●[مصحف ابنِ مسعودؓ کا حوالہ کذب ہے، ہم کئی بار کہہ چکے کہ انور شاہ کی نقل قابلِ اعتماد نہیں ہے۔]●

گویا مصحفِ اُبیؓ میں موجودگی حوالہ تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالۂ دلیل کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ انہوں نے اپنے موقف پر دو حوالے دیے، ان میں سے ایک میں وہ حوالہ موجود ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ حوالہ ناقد کو نہیں ملا تو علمی دیانت کا تقاضا تھا کہ وہ کہتے کہ ایسا حوالہ موجود نہیں، ملتا نہیں، مل نہیں سکا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ مولانا انور شاہ سے تسامح ہوا کہ مصحفِ ابن مسعودؓ کی بجائے مصحف ابن عباسؓ لکھنا تھا، (علامہ سیوطیؒ نے ''الدر المنثور'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے)، وغیرہ۔

نیز ''کذب'' ایک شرعی اصطلاح ہے، اس کے اطلاق کے لیے جن شرعی ضوابط کی ضرورت ہوتی ہے، اُمید کی جاتی ہے کہ ناقد مرحوم نے ان کا خیال کیا ہوگا۔

رہا مصحفِ ابن مسعودؓ میں دعاءِ قنوت کا وجود وعدمِ وجود! تو اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ مصحفِ ابن مسعودؓ کے متعدد نسخے تھے، جو باہم مختلف فیہ تھے، چنانچہ ''الفهرست'' میں ابن ندیم نے، اور ''الإتقان'' میں سیوطیؒ نے مصحف ابن مسعودؓ کے جو مندرجات نقل کیے ہیں، ان میں کمی بیشی اور ترتیب کا اختلاف موجود ہے۔

ابن ندیمؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے مصحف ابن مسعودؓ کے متعدد نسخے دیکھے ہیں، کوئی سے دو بھی آپس میں موافقت نہ رکھتے تھے۔ ایک نسخہ میں تو فاتحہ بھی موجود تھی۔ (ابن نديم، الفهرست: ١/ ٢٩)

ان دو حوالوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر حضرت علامہ انور شاہؒ کی نظر میں ایسا مصحف گزرا، جو ناقد کی نظر میں نہ آسکا، تو یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

نیز متعدد اہلِ علم نے تصریح کی ہے کہ ابن مسعودؓ، اُبی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ کے مصاحف میں یکسانیت تھی، چنانچہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی ایک عالم قرزی سے نقل کرتے ہیں کہ: انہوں نے ابن مسعودؓ، اُبی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ کے زیرِ استعمال مصاحف ملاحظہ کیے تو ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ (تاریخ النص القرآني، ص: ۱٤۹)

مصحفِ اُبیؓ میں دعاء قنوت کے وجود کا اقرار تو ناقد کو بھی ہے، اس لیے اس پر حوالہ جات کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔

اگر سطورِ بالا کے پیش نظر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ لکھ دیا کہ مصحفِ ابن مسعودؓ میں بھی دعاء قنوت موجود تھی، تو اس پر اعتراض کرنا خود قابلِ اصلاح ہے۔

ذیل کی سطور کو بہت سے لکیر کے فقیر تاویل قرار دیں گے، اس لیے اس سلسلہ کا واضح حوالہ بھی قارئین کے لیے پیش خدمت ہے۔ علامہ سیوطیؒ ''الدر المنثور'' میں رقم طراز ہیں:

''وَزعم عبيدٌ اَنهٗ بلغهٗ اَنَّهُمَا سورتان من الْقُرْاٰن فِي مصحف ابْن مَسْعُودٌ.''

(الدر المنثور: ۸/ ٦۹٦)

●[احکام القرآن کا حوالہ دینا مولانا انور شاہ کو چنداں مفید نہیں، بلکہ وہ مولانا کے برخلاف ہے۔'']●

اس پر عرض یہ ہے کہ ناقد نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ''احکام القرآن'' کا حوالہ اس بات پر دیا ہے کہ حدیثِ عبادہؓ میں موجود جملے الگ الگ ہیں، مقتدی اور مطلق نمازی کے لیے علیحدہ علیحدہ ہیں اور پھر انہوں نے یہ خلاصہ نکالا کہ یہ ''احکام القرآن'' کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ کے برخلاف ہے، کیونکہ اس حوالے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری تین آیات باہمی ارتباط کی وجہ سے ایک جگہ نقل کی گئی ہیں، تو ویسے حدیثِ عبادہؓ کے دونوں جملے بھی آپس میں ایک ہی حکم سے متعلق ہیں۔

حالانکہ شاہ صاحبؒ نے ''احکام القرآن'' کا حوالہ ''افادۂ مزید'' کے فائدہ کے حوالہ سے دیا کہ بسا اوقات اِفادۂ مزید کی خاطر ایک ہی سیاقِ عبارت میں ماقبل سے مختلف فائدہ کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے، چنانچہ ابن عربیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ''مِنۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ'' کے تحت لکھا:

''الرابع – من بعد صلاتهما، على أنهما كافران! وقد روي في الصحيح أن

النبي صلى الله عليه وسلم حلف المتلاعنين بعد العصر. وروى بعدالظهر. وفي الصحيح: من حلف على يمين بعد العصر لقي الله سبحانهٗ وهو عليه غضبان. وهٰذا على طريق التغليظ بالزمان.'' (أحكام القرآن:۲/ ۷۲٤)

اس عبارت کا آخری جملہ شاہ صاحبؒ کا محلِ استدلال ہے کہ یہ الفاظ ''مِنۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ'' بطور تغلیظ آئے ہیں، ورنہ استحلاف میں (اور وہ بھی کفار سے) ان کو کوئی دخل نہیں۔

یہی بات امام جصاصؒ نے مزید وضاحت سے لکھی، وہ استحلاف میں واردشدہ متعدد روایات جو زمان ومکان کے تعین پر دلالت کرتی ہیں، نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ: وَلَيْسَ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ ذٰلِكَ مَسْنُوْنٌ. وَإِنَّمَا قَالَ ذٰلِكَ لِاَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ كَانَ يَجْلِسُ هُنَاكَ، فَلِذٰلِكَ كَانَ يَقَعُ الْإِسْتِحْلَافُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، وَالْيَمِيْنُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ اَعْظَمُ مَاْثَمًا إِذَا كَانَتْ كَاذِبَةً لِحُرْمَةِ الْمَوْضِعِ، فَلَا دَلَالَةَ فِيْهِ عَلٰى اَنَّهٗ يَنْبَغِيْ اَنْ تَكُوْنَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ.'' (أحكام القرآن، جصاص: ۲/ ٦١٦)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کا یہ حوالہ بھی درست ہے اور دلیل حوالہ بھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شاہ صاحبؒ کے علوم ومعارف کو سمجھنے، ان سے استفادہ کرنے کی سعادت سے نوازیں۔ آخر میں اہلِ علم کے لیے چند ایک عناوین برائے تحقیق پیش خدمت ہیں:

❶- علامہ کشمیریؒ وعلامہ نیمویؒ کی حدیثی خدمات کا تقابل کئی جہات سے ممکن ہے: فقہ الحدیث پر، رجال پر، استنباط واستخراج پر۔

❷- علامہ کشمیریؒ کے اُسلوبِ تحریر وتقریر کا تقابلی مطالعہ۔ مشترک ومختلف عناوینِ فقہیہ وحدیثیہ لیے جاسکتے ہیں، نیز ایک ایک حدیث، مبحث، راوی کا تقابلی مطالعہ کر کے مضامین بھی لکھے جاسکتے ہیں۔

❸- علامہؒ کی کتب کے متنوع مآخذ پر مستقل مقالہ لکھا جاسکتا ہے، نیز ایک ایک کتاب پر بھی یہ کام بصورتِ مضامین ہوسکتا ہے۔

❹- شاہ صاحبؒ کا منطق، فلسفہ، علومِ قرآن، حدیث، فقہی آراء مختارہ، ادب وشاعری میں معاصرین، یا متقدمین سے تقابلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ علوم میں اُن کی اجتہادی واختلافی آراء پر کام کیا جاسکتا ہے۔

.....❁.....❁.....❁.....

ٹریفک قوانین

اور اسلامی نقطۂ نظر

مولانا ڈاکٹر امجد حسین

اللہ رب العزت نے اپنی اس وسیع وعریض کائنات میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے فضاؤں، جنگلوں اور زمینوں میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے، تنگ اور کشادہ راستے بنائے ہیں، جن راستوں پر چل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی پہنچا جا سکتا ہے، جیسا کہ ہم اور آپ آئے دن زمینی راستوں پر اُس کا مشاہدہ کرتے ہیں، پھر راستہ اگر ہموار، نشیب وفراز سے محفوظ، صاف ستھرا اور کشادہ ہو، نیز اس پر ٹریفک کے مفید قواعد کے مطابق چلا جائے تو عموماً دور کی منزل بھی قریب ہو جاتی ہے اور فاصلے گھٹ جاتے ہیں، اس کے برخلاف راستہ کتنا ہی ہموار، صاف ستھرا اور کشادہ کیوں نہ ہو، مگر اس پر چلنے کے لیے قواعد نہ ہوں یا اس راستے پر چلنے والے ٹریفک کے مفید قواعد کی خلاف ورزی کریں تو پھر قریب کی منزل بھی دور ہو جاتی ہے اور جو فاصلہ منٹوں میں طے ہونا تھا اس کے لیے گھنٹے لگ جاتے ہیں، نیز یہ بات راستہ چلنے والوں کے لیے یا سوار اور سواری کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہوتی ہے، چنانچہ آج کل جو سڑک حادثات پیش آتے ہیں اور اُن میں جانی و مالی نقصان ہوتا ہے، عموماً وہ ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی کے سبب پیش آتے ہیں۔

دوسری بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً لوگ ٹریفک کے قواعد کی شرعی اہمیت سے ناواقف ہیں، اس لیے اس کی خلاف ورزی محض ملکی قانون کی خلاف ورزی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ دینی اور شرعی اعتبار سے بھی ممنوع ہے اور کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔

بہتر نظم و نسق شریعتِ مطہرہ میں مطلوب و محمود ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا‘‘ (الصّٰفّٰت:۱) ’’قسم ہے قطار در قطار صف بستہ جماعتوں کی۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی قسم ذکر کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت

میں صف بستہ کھڑے رہتے ہیں، اور بعض مفسرین کے بقول اس آیتِ کریمہ میں اُن نمازیوں کی قسم ہے جو نماز میں صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے اُن پرندوں کو مراد لیا ہے جو اپنی پوری جماعت کے ساتھ ایک قطار بنا کر ہوا میں اُڑتے ہیں اور تمام علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن پاک میں جب کسی چیز کی قسم ذکر کی جائے تو وہ اس کے عظیم الشان ہونے کی دلیل ہوتی ہے، اُس کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے نظم ونسق کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ فرشتوں، نمازیوں یا پرندوں کی اُس حالت کا ذکر ہے جب وہ صف بستہ ہوں، قطار در قطار ہوں۔

ناواقفیت کی وجہ سے ہمارے بہت سے لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ نظم ونسق کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تو عصری تعلیم یافتہ لوگوں کا شعار ہے، حالانکہ نظم ونسق سب سے پہلے دین کا حصہ ہے، جن لوگوں نے بہتر نظم ونسق اس دنیا میں سیکھا ہے، وہ دین اسلام ہی سے سیکھا ہے، البتہ ہمیں یہ مغالطہ اس وجہ سے ہو جاتا ہے کہ غیر مسلم تو اسے سیکھ کر اپنی زندگی کا ایسا جز ولاینفک بناتے ہیں کہ اُن کی پہچان ہی بہترین نظم ونسق سے ہوتی ہے، جب کہ ہم اس کی اہمیت سے یکسر غافل رہتے ہیں۔

حکومت کی جانب سے ٹریفک کے مفید مقررہ قواعد کی خلاف ورزی کرنے میں کسی نہ کسی کے نقصان کا غالب گمان ہوتا ہے، اور بسا اوقات تو اسی بنا پر حادثات پیش آتے ہیں، جن میں کبھی کبھی کسی بے گناہ کی جان تک چلی جاتی ہے یا پھر کوئی اور جسمانی نقصان پہنچتا ہے یا کم از کم ذہنی اذیت تو ضرور ہوتی ہے اور قرآن پاک کے حکم کے مطابق کسی کو بلاوجہ جان بوجھ کر نقصان پہنچانا بالخصوص کسی مسلمان کو یہ بہت بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''وہ لوگ جو بے قصور مؤمن مرد اور مؤمنہ عورتوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں تو وہ اپنے سر بہت بڑے گناہ کا بوجھ لے رہے ہیں۔'' (سورۃ الاحزاب:۵۸)

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ'' سچے، پکے اور کامل الایمان مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے کسی دوسرے مسلمان کو کسی طرح کا کوئی ادنیٰ نقصان بھی جان بوجھ کر نہ پہنچے، یہاں مسلمانوں کا ذکر اس لیے ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایک مسلمان کا واسطہ اکثر مسلمان ہی کے ساتھ پڑتا ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ مسلمان کا ذکر کیا گیا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر مسلم کو ایذا پہنچانا جائز ہے، لہٰذا شرعاً کسی بھی انسان خصوصاً مسلمان کو بلاوجہِ شرعی جان بوجھ کر جانی، مالی اور ذہنی نقصان پہنچانا حرام ہے اور ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی کرنے میں ایذا رسانی یعنی دوسروں کو نقصان پہنچانے کا گناہ بھی پایا جاتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ میں راستے کے حقوق، سوار اور سواری کے آداب و احکام وغیرہ کی بھی رہنمائی موجود ہے، جن پر عمل پیرا ہونے سے بہت سے جھگڑے، تنازع اور حق تلفی وغیرہ سے انسان بچ سکتا ہے۔ اسی طرح حدیث پاک میں بھی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''خَيْرُ النَّاسِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ ''، ''لوگوں میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔'' یعنی لوگوں کو راحت پہنچانے والا ہو اور اپنی جانب سے کوئی نقصان لوگوں کو نہ پہنچے، اس کا خیال رکھنے والا ہو۔

مذکورہ آیت اور احادیث' حقوق العباد میں اصل اور بنیاد ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں حقوق العباد کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان کسی کی بھی ایذا رسانی سے باز رہیں اور اس بات کی کوشش کریں کہ تمام لوگوں کے لیے نفع رسانی کا سبب بنیں۔ ٹریفک، ڈرائیونگ اور گزرگاہ کے اُصول بھی حقوق العباد کا حصہ ہیں۔

اگر ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی میں کسی کو بظاہر کوئی نقصان نہ پہنچے، جب بھی اس میں حق تلفی یعنی ایک مشترکہ سڑک کے ناجائز استعمال کرنے کا گناہ تو ضرور پایا جاتا ہے، اسلامی فقہ کی کتابوں میں یہ اُصول لکھا ہے کہ جو راستہ پرائیویٹ اور ذاتی نہ ہو، بلکہ عام اور مشترک ہو اس پر چلنا اور گاڑی چلانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دوسروں کو کسی طرح کی اذیت و تکلیف نہ دی جائے اور ان کی حق تلفی بھی نہ کی جائے، اس احتیاط کے بغیر عام اور مشترک سڑک کا استعمال جائز نہیں، اگر بے احتیاطی سے سڑک کا استعمال کرنے کے نتیجے میں کوئی حادثہ پیش آ گیا تو مشترکہ سڑک کے ناجائز استعمال کے گناہ کے علاوہ اُس حادثے کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کا تاوان بھی شرعی نقطۂ نظر سے اس شخص کے ذمے عائد ہوتا ہے جس نے بے احتیاطی کے ساتھ سڑک کا استعمال کیا۔

اس طرح غلط جانب چلنے کے نتیجے میں آنے والی گاڑیوں کا راستہ بھی رُک جاتا ہے، پھر گھنٹوں تک ٹریفک رُکی رہتی ہے۔ اس قسم کی بے اُصولی سے سینکڑوں انسانوں کو کرب و عذاب میں مبتلا کرنے کا گناہ اس شخص پر ہے جس نے غلط سمت میں گاڑی لے جا کر اس صورت حال سے لوگوں کو دوچار کیا۔

حکومت کی جانب سے بنائے ہوئے ٹریفک کے مفید قواعد کی خلاف ورزی کرنے میں وعدہ خلافی کا گناہ بھی پایا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ جب کوئی شخص سڑک پر گاڑی چلانے کا لائسنس لیتا ہے تو وہ متعلقہ حاکم اور افسر کے سامنے فارم پر دستخط کر کے گویا تحریری اور زبانی بلکہ عملی طور پر بھی وعدہ کرتا ہے کہ وہ سڑک پر گاڑی چلاتے وقت تمام مقررہ قواعد کی پابندی کرے گا، اگر لائسنس کی درخواست دیتے وقت ہی وہ متعلقہ حکام کو یہ بتادے کہ وہ ٹریفک کے اصول و قواعد کی رعایت نہیں رکھ سکے گا، تو ظاہر ہے کہ اُسے کبھی بھی لائسنس نہیں مل سکتا، جس کسی کو بھی لائسنس دیا جاتا ہے وہ اسی وعدے کی بنیاد پر دیا جاتا ہے، چنانچہ اس کے بعد اگر

کوئی شخص ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس میں وعدہ خلافی کا گناہ بھی ہوگا۔قرآنِ کریم نے اہلِ ایمان کو ہرطرح کے مباح عہد و پیمان کو نبھانے کا حکم فرمایا ہے:

’’یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ‘‘(المائدۃ:۱)

’’اے ایمان والو!(اپنے) عہد پورے کرو۔‘‘

یاد رکھنا چاہیے کہ مؤمن بندہ ہر اس وعدے کا پابند ہوتا ہے جو خلافِ شرع نہ ہو، خواہ وہ وعدہ کسی سے بھی کیا ہو، وعدہ نبھانا ایمانی تقاضا ہے، اور وعدہ خلافی کرنا گناہِ کبیرہ ہے، وعدوں کے متعلق بھی قیامت میں سوال کیا جائے گا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

’’وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا‘‘ (الاسراء:۳۴)

’’عہد و پیمان کو مکمل طور پر نبھاؤ، بلاشبہ عہد و پیمان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔‘‘

الغرض ٹریفک کے مفید قواعد کی خلاف ورزی سے قبل اس بات کو نہ بھولیں کہ اس میں نقضِ عہد کا گناہ بھی پایا جاتا ہے۔

یہ سب انتظامی نوعیت کے وہ قوانین ہیں جن کا مقصد ہماری جان اور سواری کی حفاظت ہے، اور ظاہر ہے کہ جان و مال کی حفاظت ایک شرعی فریضہ ہے، لہٰذا حکومت حفاظتی نقطۂ نظر سے جو قوانین بنائے (بشرطیکہ وہ خلافِ شرع نہ ہوں) شرعاً اُن کی پابندی ضروری ہے اور خلاف ورزی کرنا گناہ ہے، اس لیے کہ حکومت کے بنائے ہوئے قانون کی حیثیت حکمِ حاکم کی ہے اور قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ‘‘ (النساء:۵۹)

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور تم میں سے اصحابِ اختیار ہیں اُن کی بھی اطاعت کرو۔‘‘

اہلِ ایمان کو رب العالمین نے اپنی اور اپنے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ اصحابِ اختیار کی اطاعت کا بھی حکم فرمایا۔ اس اطاعت سے مراد یہی ہے کہ حکام عمومی مصلحتوں کی بنیاد پر جو قواعد مقرر کریں (بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہوں) ان کی پابندی کی جائے گی، ایسے قواعد کی پابندی بھی شرعاً ضروری ہے۔

الغرض حکومت نے ٹریفک کے جو اصول و قواعد مقرر کیے ہیں وہ بھی اسی نوعیت کے ہیں جن کو اصولِ فقہ کی اصطلاح میں ’’مصالحِ مرسلہ‘‘ کہا جاتا ہے، اس لیے حکمِ حاکم کی وجہ سے ملک کے تمام باشندوں پر اُن کی پابندی شرعی نقطۂ نظر سے ضروری ہوگی اور ان کی خلاف ورزی میں حکمِ حاکم کی نافرمانی اور قانون شکنی کا گناہ پایا جاتا ہے۔

ترجمہ نگاری کے اُصول وضوابط

مولانا ارشاد احمد سالارزئی
استاذِ جامعہ

’’ترجمۃ‘‘ باب ’’فعللۃ‘‘ کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے: کسی زبان کا دوسری زبان میں معنی بتانا۔ اسی سے ترجمان اور مُترجم کے الفاظ ترجمہ کرنے والے کے لیے بولے جاتے ہیں۔ کسی جماعت، حکومت یا شخصیت کے ذاتی ترجمان کے لیے عربی زبان میں ’’المتحدِّث باسم فلان‘‘ یا ’’الناطق الرسميُّ‘‘ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

ترجمہ کی تعریف

ترجمہ کی اصطلاحی تعریف میں اختلاف ہے:

۱- بعض کے ہاں ترجمہ کسی بات کو عربی زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام ہے، جب کہ تعریب غیر عربی زبان کی بات کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا نام ہے۔

۲- بعض کے ہاں کسی بھی زبان سے دوسری دوسری زبان میں جذبات، احساسات، خیالات، افکار، احوال اور علوم وفنون کی معلومات کو منتقل کرنے کا نام ترجمہ ہے۔ جس زبان سے ترجمہ کیا جائے اسے مترجَم منہ زبان اور جس میں ترجمہ کیا جائے اس کو مترجَم الیہ زبان کہتے ہیں۔ جب کہ تعریب اس سے بالکل الگ تھلگ مفہوم رکھتا ہے، وہ یہ کہ کسی بھی عجمی زبان کے اسماء میں معمولی تغیر وتبدل کر کے اسے عربی زبان میں منتقل کر کے استعمال کرنا تعریب کہلاتا ہے، جیسے: ڈیموکریٹک یونانی زبان کا لفظ ہے، عرب نے اسے عربی میں منتقل کر کے اسے ’’ديموقراطية‘‘ بنایا، اسی طرح کمپیوٹر انگریزی کا لفظ ہے، اسے کمبيوتر بنا کر استعمال کیا۔

ترجمہ کی اہمیت وفوائد

ترجمہ دراصل ایک ایسا ذریعہ ہے جو ایک زبان کے علمی وادبی یا دوسرے کسی بھی تحریری سرمایہ کو دوسری زبان میں منتقل کر دیتا ہے۔ اس کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ اس کی بدولت ایک قوم دوسری قوم کی علمی وفکری کاوشوں، اور تجربات سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔

ترجمہ نگاری عربی ادب کے اہم ترین فنون میں شمار کی جاتی ہے، اس سے کاتب کو مختلف مصادر تک رسائی ملتی ہے، جس سے کاتب کی تحریر میں وسعت اور آفاقیت پیدا ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی نے کہا ہے: ''الكاتب الذي لايَعرِفُ لُغَةَ غَيرِهِ لايَعرِفُ لغةَ أُمِّهِ'' جو کاتب شخص صرف اپنی ایک زبان جانتا ہے، وہ اپنی زبان کی ساخت، خوبیوں اور کمزوریوں کو گہرائی سے نہیں سمجھ پاتا، کیوں کہ دوسری زبانیں سیکھنے سے ذہن میں موازنہ اور معیار پیدا ہوتا ہے، اور اس سے اپنی مادری زبان کو سمجھنے اور درست لکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

ترجمہ کی اقسام

ترجمہ کی پانچ قسمیں ہیں:

۱-لفظی ترجمہ۔ ۲-آزاد ترجمہ۔ ۳-لفظی اور آزاد کے بین بین ترجمہ۔
۴-تشریحی ترجمہ۔ ۵-ملخّص ترجمہ۔

①-لفظی ترجمہ

وہ ہے جس میں ترجمہ نگار مترجَم منہ زبان کے الفاظ اور کلمات کا پابند ہو، اس میں کمی بیشی نہ کرے۔

②-آزاد ترجمہ

وہ ہے جس میں ترجمہ نگار مترجَم منہ زبان کی عبارت پڑھ کر سمجھ لے، اس کے بعد اپنی سوچ دوسری زبان میں منتقل کردے، جس میں وہ کمی زیادتی بھی کرے، اس قسم میں ترجمہ نگار مترجَم منہ زبان کے الفاظ کا پابند نہیں ہوتا۔ یہ فصیح ترجمہ کہلاتا ہے۔

③-لفظی اور آزاد کے بین بین ترجمہ

یہ ترجمہ کی وہ قسم ہے، جس میں ترجمہ نگار ترجمہ کرنے کے بعد کلام کو مرتب اور مہذب بنائے، اور اسے اس انداز سے ڈھالے جس سے اس کا ترجمہ ہونا معلوم نہ ہو، بلکہ قاری یہ سمجھے کہ یہ اسی زبان کا ایک

مستقل کلام ہے۔

④-تشریحی ترجمہ

یہ وہ قسم ہے جس میں ترجمہ نگار مترجَم منہ زبان کے الفاظ وعبارات کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ کچھ تشریحی کلمات بھی شامل کرے، جس سے ترجمہ کی مزید وضاحت ہوجائے، اور الگ سے اس عبارت کی تشریح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

⑤-ملخص ترجمہ

یہ ترجمہ کی وہ قسم ہے، جس میں ترجمہ نگار مترجَم منہ زبان کی نص کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کرے، اس میں مترجَم منہ زبان کے الفاظ وعبارات کا پابند نہ ہو، اس میں اپنی صواب دید کے مطابق تقدیم وتاخیر بھی کرے۔

ترجمہ نگار کے لیے ضروری ہدایات

ترجمہ نگار کو متن کی زبان پر کامل دست گاہ ہونی چاہیے؛ کیوں کہ اسے ترجمے میں محض مفہوم کو ہی منتقل کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اس تاثر اور کیفیت کو بھی ترجمے کا حصہ بنانا ہے جو کہ متن کی زبان میں پائی جاتی ہے۔ یہ کام آسان نہیں ہے، اس کے لیے ترجمہ نگار کو تخلیق یا تصنیف کی زبان سے کما حقہ واقف ہونا ضروری ہے۔ اس واقفیت کے تحت درج ذیل چیزیں آتی ہیں:

❶-مفہومی ترجمہ

ترجمہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی زبان کا ادبی اور فصیح ترجمہ کرے، جس سے مترجَم منہ زبان کا معنی ومفہوم مکمل طور پر واضح ہو سکے۔ بعض اوقات لوگ کسی مضمون کا لفظی ترجمہ کردیتے ہیں جس سے مفہوم کچھ کا کچھ بن جاتا ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

❷-قواعد سے واقفیت

کسی بھی زبان کو کامل صحت کے ساتھ لکھنے اور بولنے کے لیے اس کے قواعد سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ایک ترجمہ نگار کو بھی مترجَم منہ زبان سے واقف ہونا چاہیے؛ کیوں کہ اگر اسے واقفیت نہ ہو تو جملوں کی ساخت اور ترکیب کے فرق کو محسوس نہ کرسکے گا، مثلاً: عربی زبان کے قواعد کے مطابق جملہ فعلیہ میں پہلے فعل، پھر فاعل اور پھر متعلقات (مفعول بہ/ جار مجرور وغیرہ) آتے ہیں، اس قاعدے کے مطابق جملہ اس

طرح بنے گا: ''ذَهَبَ حَامِدٌ إلى المنزل'' (حامد گھر گیا)۔

اس جملہ کا ترجمہ کرتے وقت اردو قواعد کی پابندی کی گئی ہے، یعنی پہلے فاعل پھر متعلق اور اس کے بعد فعل لایا گیا ہے۔ اگر ترجمہ کے وقت اردو کے قواعد کو فراموش کر دیا جاتا تو ترجمہ عجیب وغریب ہوجاتا۔ معلوم ہوا کہ ترجمہ میں قواعد سے واقفیت ضروری ہے۔

❸-محاوروں اور کہاوتوں سے واقفیت

ہر زبان میں محاوروں اور کہاوتوں کا ذخیرہ ہوتا ہے، یہ اُس زبان کے لیے شناخت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایک ترجمہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان محاوروں اور کہاوتوں کے لغوی اور مرادی معنی، نیز ان کے پس منظر سے واقف ہو۔

محاوروں اور کہاوتوں کے ترجمے کے وقت دیکھا جائے کہ کیا مترجَم الیہ زبان میں اس کی متبادل کوئی کہاوت موجود ہے؟ اگر ہو تو اس کہاوت یا محاورہ سے اس کا ترجمہ کر دیا جائے، مثال کے طور پر عربی کی کہاوت ہے: ''اَحَشَفًا وَسُوْءَ كِيْلَةٍ'' یہ کہاوت کسی چیز میں دوہری خرابی موجود ہونے کے وقت بولی جاتی ہے۔ (حَشَف کا معنی: خراب کھجور جو پکنے سے پہلے سوکھ جاتی ہے۔ سُوْءَ كِيْلَةٍ کا معنی: تول میں کمی۔ ضرب المثل کا معنی یہ ہوا کہ: ''خراب کھجوریں تو دے ہی رہے ہو، تول بھی پورا نہیں'' اس کا ترجمہ اردو کی اس کہاوت سے کیا جاسکتا ہے: ''کریلا اور نیم چڑھا''، اردو میں یہ کہاوت اس وقت بولی جاتی ہے جب ایک چیز میں پہلے سے ایک برائی موجود ہو اور اس پر مزید ایک اور برائی کا اضافہ ہوجائے؛ کیوں کہ کریلا ویسے بھی بہت کڑوا ہوتا ہے، اور نیم بھی بہت کڑوا درخت ہے، اگر کریلا نیم پر چڑھ جائے تو گویا کڑواہٹ اور زیادہ بڑھ جائے گی، اسی کے لیے کہا جاتا ہے: ''کریلا اور نیم چڑھا۔''

اور اگر مترجَم الیہ زبان میں کہاوت کا متبادل نہ ہو تو اس کے مرادی معنی کا ترجمہ کر دیا جائے، اور لفظی ترجمہ سے گریز کیا جائے؛ کیوں کہ لفظی ترجمہ مضحکہ خیز ہوگا، مثال کے طور: ''لِلْعُلَمَاءِ نَصِيْبُ الْاَسَدِ فِيْ تَحرِيْرِ الْبِلَادِ'' علماء کا ملک کی آزادی میں بڑا کردار ہے۔ اس مثال میں ''نَصِيْبُ الْاَسَدِ'' کا لفظی ترجمہ شیر کا حصہ کرنا غلط ہوگا؛ کیوں کہ یہ لفظی ترجمہ ہوگا، جب کہ ''نَصِيْبُ الْاَسَدِ'' کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ ''اچھے کردار'' سے کیا جاتا ہے۔

❹-تشبیہات اور استعارات سے واقفیت

تشبیہات واستعارات کسی بھی زبان کے ادبی پیرایۂ اظہار کا لازمی جز ہوتے ہیں، ترجمہ نگار کو

زبان کے مزاج کا رمز شناس ہونا چاہیے، اور مترجم الیہ زبان میں استعمال ہونے والی تشبیہات و استعارات سے واقف ہونا چاہیے، یہ استعارات وتشبیہات ہر زبان میں الگ الگ ہوتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ مترجم منہ زبان میں جس چیز کو مشبہ بہ بنایا گیا ہو تو مترجم الیہ زبان میں بھی وہی مشبہ بہ ہو، مثال کے طور پر عربی زبان میں کسی میدان کی عظیم اور قدآور شخصیت کے لیے لفظ ''عملاق'' استعمال کیا جاتا ہے، یہ واحد ہے، اس کی جمع ''عمالقة'' ہے۔ دراصل ''عمالقة'' نام کی ایک قوم تھی کہ جس کے افراد دیوقامت اور قوی ہیکل ہوتے تھے؛ اسی لیے یہ لفظ عظیم شخصیت کے لیے مستعار لیا گیا ہے، مثلاً: ''هم عمالقة الفكر والأدب'' لیکن اردو زبان میں کسی چیز کی بڑائی کے لیے ''ہمالیہ'' کا استعارہ بھی استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ ہمالیائی شخصیت، اور ہمالیائی غلطی بولتے ہیں، اسی لیے اس جملے کا اردو میں اس طرح ترجمہ کیا جا سکتا ہے: ''وہ فکر و ادب کی ہمالیائی شخصیتیں ہیں۔''

❺-اسماء سے واقفیت

ہر زبان میں چیزوں، مقاموں اور علاقوں کے لیے مخصوص نام ہوتے ہیں، ترجمہ نگار اگر اُن سے واقف ہو تو اسے ان کا ترجمہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے اسماء زبان کے مزاج اور قواعد کے اعتبار سے مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔

❻-مترادفات سے واقفیت

ترجمہ نگار جب ترجمہ کرتے وقت کسی لفظ کے معنی کے لیے لغت کے صفحات پلٹتا ہے تو اسے متعدد الفاظ سے سابقہ پڑتا ہے، اب یہ اس کی فہم اور زبان سے واقفیت پر منحصر ہے کہ وہ ان میں سے اس لفظ کا انتخاب کرے جو برمحل مناسب اور باموقع ہو؛ کیوں کہ بظاہر مترادفات حقیقت میں ہم معنی نہیں ہوتے، بلکہ ان میں دقیق فرق ہوتا ہے۔ اس فرق کو سمجھ کر لفظ کو اس کے مناسب محل میں استعمال کرنا ضروری ہے، مثال کے طور پر ''الحجرة'' اور ''الغرفة'' کے معنی کمرہ کے ہیں، بظاہر دونوں ہم معنی معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان کے درمیان فرق ہے، وہ یہ کہ زمین پر بنے ہوئے کمرہ کو ''الحجرة'' جب کہ اوپر کی منزل میں بنے ہوئے کمرے کو ''الغرفة'' کہتے ہیں۔

اسی طرح بعض الفاظ مشترک ہوتے ہیں، یعنی لفظ ایک ہوتا ہے اور اس کے کئی معانی ہوتے ہیں، مثال کے طور پر ''السيارة'' کے دو معنی ہیں: ۱- قافلہ: آیتِ کریمہ: ''وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ'' (یوسف:۱۹) میں ''سیارة'' اسی معنی میں استعمال ہے۔ ۲-ٹیکسی، کار: اب یہ ترجمہ نگار پر ہے کہ

وہ عبارت کے سیاق وسباق کو دیکھ کر یہ طے کرے کہ یہاں کونسا معنی مراد ہے۔

نیز اسی طرح زبانوں میں اضداد (متضاد معانی والے الفاظ) بھی ہوتے ہیں، جن کے باہم متضاد معنی ہوتے ہیں، عربی زبان میں ایسے الفاظ کی بڑی تعداد ہے، مثال کے طور پر لفظ ''وَرَاء'' کے دو معنی ہیں: ۱- سامنے۔ ۲- پیچھے۔ اس قسم کے الفاظ کے ترجمہ کے وقت بھی ترجمہ نگار کو ہی فیصلہ کرنا ہے کہ دو متضاد معنی میں سے کونسا معنی یہاں مطلوب ہے۔

❼- قدیم تراجم سے استفادہ

ترجمہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ گزشتہ اہلِ فن مترجمین کی ترجمہ کی ہوئی ادبی کتب سے استفادہ کرے، اسے مسلسل مطالعہ میں رکھے، اس کے لیے مختلف قدیم وجدید ترجمے اور ان کی کتابوں کی اصل عبارات کو غور سے پڑھے، عنوانات کے ترجموں پر غور کرے، مختلف ادبی تعبیرات کے انداز سمجھے۔

اس کے لیے علامہ ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب سے استفادہ کرے؛ کیوں کہ ان کی بیشتر کتب اردو اور عربی دونوں زبانوں میں ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرکے اسے پہلے اردو میں پڑھے، پھر اس کی عربی دیکھے، ذیل میں ان کی چند کتب ملاحظہ ہوں:

۱- ''رِجَالُ الْفِكْرِ وَالدَّعْوَةِ'' اس کا اردو ترجمہ: تاریخ دعوت وعزیمت۔

۲- ''إِذَا هَبَّتْ رِيحُ الْإِيْمَانِ'' اس کا اردو ترجمہ: جب ایمان کی بہار چلی۔

۳- ''السِّيْرَةُ النَّبَوِيَّةُ'' اس کا اردو ترجمہ: نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

۴- ''مَاذَا خَسِرَ الْعَالَمُ بِانْحِطَاطِ الْمُسْلِمِيْنَ'' اس کا اردو ترجمہ: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب۔

۵- ''مَسِيْرَةُ الْحَيَاةِ'' اس کا اردو ترجمہ: کاروانِ زندگی۔

روزانہ کے اعتبار سے ان مترجَم کتب سے استفادہ کرتے رہیں۔

❽- ماہرینِ فن کی تصحیح

ترجمہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ ابتدائی طور پر کسی ماہرِ فن باذوق وباصلاحیت انسان سے استفادہ کرتا رہے، اپنی ترجمہ کی ہوئی عبارات اور نصوص کی تصحیح ان سے کرالیا کرے، کچھ عرصہ میں ہی مزاج ومذاق سمجھ میں آجائے گا۔ یاد رہے کہ تصحیح کراتے وقت اپنے مُشرف کو اصل عبارت اور ترجمہ کردہ عبارت دکھایا کرے، تاکہ تصحیح کا کام انتہائی تسلی بخش ہو۔

❾- امانت داری

افکار کو امانت داری کے ساتھ بغیر اختصار و حذف کے منتقل کرے، اس میں اپنی طرف سے کوئی رائے یا سوچ شامل نہ کرے۔

❿- صبر

بسا اوقات معانی کو حل کرنے میں وقت لگ سکتا ہے۔ اس سے گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار نہ ہو، جب تک کسی پیچیدگی کو حل نہ کرلے، چین سے نہ بیٹھے، چاہے جتنا وقت لگ جائے۔

ترجمے کے مختلف مراحل

جب کسی مضمون یا کتاب کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ہو تو اس کے لیے چند مراحل سے گزرنا ناگزیر ہے:

①- کسی بھی جملہ، فقرہ یا عبارت کا ترجمہ کرتے وقت پہلے مترجم منہ زبان کے مفردات کا ترجمہ معلوم کرلیں، اس کے بعد اس جملہ میں جتنے افعال ہیں ان کا معنی معلوم کرلیں، اگر کوئی لفظ ایسا ہو کہ جس کے معنی معلوم نہ ہوں تو قاموس کی مراجعت سے اُسے حل کرلیں اور آخر میں یہ طے کریں کہ جملہ کی نوعیت کیا ہے؟ فعلیہ ہے، اسمیہ ہے یا پھر جملہ انشائیہ ہے؟ اس کے بعد ترجمہ کو مترجم الیہ زبان کے اعتبار سے درست کریں۔

②- پہلے اسے پورا غور سے پڑھ لیا جائے، تاکہ اس کی بنیادی فکر ذہن میں آجائے۔ اس کے بعد اس کے ایک ایک پیراگراف کو لے کر ترجمہ کیا جائے، پیراگراف بار بار پڑھا جائے۔ یہ بار بار پڑھنا اس ارادے سے ہو کہ اس کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے۔ اس طرح پڑھنے سے ذہن میں اس پیراگراف کے الفاظ اور جملوں کی تعبیر بہتر سے بہتر آتی جائے گی اور ذہن میں ترجمہ تیار ہوگا۔

③- اس کے بعد ترجمہ نگار کو صرف یہ کرنا ہوگا کہ وہ قلم اُٹھائے اور ذہن میں تیار شدہ ترجمہ کاغذ پر اُتار دے۔ اب اسے اس میں حذف و اضافہ کی ضرورت نہیں پڑے گی؛ کیوں کہ اس میں حذف و اضافہ ذہنی عمل کے دوران ہوچکا ہوگا، گویا کہ ترجمہ تحریری عمل سے پہلے ایک ذہنی عمل ہے، یہی ترجمے کا صحیح طریقہ ہے۔ جو لوگ اس طریقے کے بجائے قلم اُٹھا کر یوں ہی ترجمہ شروع کردیتے ہیں تو عام طور پر اُن کے ترجمے میں خامی رہتی ہے۔

④- مضمون کو مختلف اجزاء و عنوانات میں تقسیم کرلیا جائے، اس کے بعد ہر جز اور عنوان کا الگ الگ ترجمہ کرے، یہ طریقہ اس طریقہ کی بنسبت زیادہ آسان ہے جس میں موضوع کے تجزیہ کے بغیر ترجمہ نگار اَلل ٹپ ترجمہ شروع کرے، عموماً مبتدی کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا مفید ثابت ہوا ہے۔ موضوع

کے اجزاء متعین کرنے کے بعد ہر جز کو الگ کرکے لکھ دے، اور اس میں خوب غور کرکے اس کے معانی کو بلیغ عربی زبان میں منتقل کردے، اور اس کے بعد اسے اصل (مترجَم منہ زبان کی) عبارت کے ساتھ جوڑ دے، کمی بیشی حذف کرکے دوبارہ لکھ دے، اور سب سے آخر میں مترجَم منہ زبان کی عبارت سامنے سے ہٹا کر مترجَم الیہ زبان کے اصول وضوابط، اس کے زبان وبیان کو پیشِ نظر رکھ کر اس پر نظرِ ثانی کرے، املائی اغلاط دور کرے، گفتگو کی سلاست اور روانگی کو درست کرے، تاکہ قاری کو اس کے ترجمہ ہونے کا گمان نہ ہوسکے۔

⑤- جملے پیچیدہ اور طویل ہوں تو ترجمے میں انھیں چھوٹے جملوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

⑥- محاورات اور امثال کا ترجمہ دوسری زبان کے محاورات وامثال سے کرنا بہتر ہے، ورنہ انھیں سادہ الفاظ میں بیان کردینا چاہیے۔

⑦- ترجمہ میں اصل کام خیالات کی صحیح ترسیل ہے، البتہ اسلوب رواں، شستہ اور جاذب ہوتو بہتر ہے۔

ترجمہ نگار کے لیے ضروری چیزیں

ترجمہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس درج ذیل چیزیں ہر وقت موجود رہیں:

۱- لغات (ڈکشنریاں)۔ ۲- معجم اصطلاحات۔ ۳- معجم امثال ومحاورات۔ ۴- معجم مترادفات و اضداد۔ ۵- مخصوص موضوعات کی معاجم: فقہ، معاشیات، طب، سائنس، ٹیکنالوجی۔ ۶- انسائیکلو پیڈیاز۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

تعلیم وتربیت (چالیس روزہ دینی واخلاقی تربیتی کورس)

ادارہ

باسمہٖ تعالیٰ

محترم جناب امام صاحب ومعزز اراکین مسجد کمیٹی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم اور آپ سب سے امت کی صلاح وفلاح کا کام لے، آمین!

دینِ اسلام ہماری ضرورت ہے، بقدرِ ضرورت دینی احکام جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے اور بعض مسلمانوں پر سرپرست ہونے کے ناطے اپنے بچوں اور ماتحتوں کو دین کے ضروری احکام سے آگاہ کرانے کا فریضہ بھی عائد ہوتا ہے، اور دیگر فرائض کی طرح اس فریضہ کی کوتاہی پر بھی باز پرس ہوگی۔ عام طور پر اس فریضہ کا احساس ہی نہیں یا پھر ہمارا نظام الاوقات اس سلسلہ میں رکاوٹ ہے اور ہم چاہت وحسرت کے باوجود اس کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔ بالخصوص ہمارے نونہال بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے جو ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے کماحقہٗ اسے پورا نہیں کرتے۔ یہ واضح ہے کہ اولاد کی ضروری تعلیم وتربیت کا حق ادا کرنے کی کوشش نہ کی تو یہ بچوں کے ساتھ زیادتی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی بھی ہوگی۔ اس نزاکت اور ضرورت کے تحت سالانہ تعطیلات (جون جولائی) میں سکول وکالج میں زیرِ تعلیم طلباء کی دینی واخلاقی تربیت کے لیے مختلف مساجد میں گزشتہ چند سالوں سے چالیس روزہ کورس کا اہتمام کیا جارہا ہے، حوصلہ افزا کامیابی، مفید ثمرات اور مسلمان بچوں کے شوق ورغبت کو دیکھتے ہوئے یہ ازحد مفید سمجھتے ہیں کہ اس سلسلہ کو جتنا وسیع کیا جائے بہتر ہے۔

اس لیے ہماری آپ سے خیرخواہانہ درخواست ہے کہ آپ بھی اپنی مساجد میں اس طرح کے کورس کا اہتمام فرمائیں۔

شکریہ!

شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ محمد ادریس شہید رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

معروف عالم دین اور دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک و دار العلوم نعمانیہ ترنگزئی چارسدہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس المعروف شیخ ادریس رحمۃ اللہ علیہ ۱۷/ ذو القعدۃ ۱۴۴۷ھ مطابق ۵/ مئی ۲۰۲۶ء بروز منگل دہشت گردوں کے قاتلانہ حملے میں شہید کردیے گئے، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون! إن للہ ما أخذ ولہ ما أعطیٰ وکل شيءٍ عندہٗ بأجل مسمّٰی!

آپؒ مولانا مولوی عبد الحقؒ المعروف مناظرِ اسلام کے فرزند تھے، آپ کے دادا شیخ التفسیر مفتی شہزادہؒ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے اور پردادا مولانا شیخ محمد اسماعیلؒ علامہ شمس الحق افغانیؒ کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ عالمی شہرت یافتہ عالمِ دین حضرت مولانا محمد حسن جان مدنی شہیدؒ کے داماد تھے۔

۲۲/ مارچ ۱۹۶۱ء مطابق ۵/ شوال المکرم ۱۳۸۰ھ کو ضلع چارسدہ ترنگزئی میں پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ اور جدِامجد مولانا مفتی شہزادہ صاحبؒ سے حاصل کی، درس نظامی کی اکثر کتب والد محترم اور جدِامجد کے علاوہ دار العلوم نعمانیہ اُتمانزئی میں پڑھیں، مولانا محمد ادریس دیوبندیؒ سے ادبِ عربی اور حضرت مولانا رسول سید صاحبؒ (سوات) اور حضرت مولانا عبد الحلیم کوہستانیؒ سے کتبِ معقولات پڑھیں۔ اس کے بعد دورہ حدیث شریف کے لیے دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لے گئے اور ۱۹۸۳ء میں سندِفراغت حاصل کی۔ ایم اے (عربی اسلامیات) پشاور یونیورسٹی سے حاصل کی۔ آپ کے اہم اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ (اکوڑہ خٹک)، شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فریدؒ، مولانا عبد الحلیم زروبویؒ اور مولانا فضل الٰہی شاہ

منصوریؒ شامل تھے۔

۱۹۸۳ء سے جامعہ نعمانیہ اُتمانزئی میں تدریس کا آغاز کیا، بعد میں دار العلوم اسلامیہ تنگی میں شیخ الحدیث کے طور پر ۹ رسال تک دورۂ حدیث شریف پڑھایا۔ اپنے گاؤں میں ۶ رسال تک صحیح بخاری، جامع ترمذی اور موطا پڑھائی۔ ۲۰۱۳ء سے دار العلوم نعمانیہ میں شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے عہدے پر فائز تھے۔ حیاتِ مستعار کے آخری سالوں میں دار العلوم حقانیہ میں بھی ترمذی اور بخاری کے دروس دیتے رہے۔

آپ کے حلقۂ درس میں ہزاروں طلبہ مستفید ہوتے تھے۔ ایک سال میں لگ بھگ ۲۵۰۰ طلبہ بخاری وترمذی پڑھتے تھے۔ آپ کو درسِ حدیث کا خاص ملکہ حاصل تھا۔

جمعیت علمائے اسلام چارسدہ کے ضلعی امیر رہے۔ صوبائی سرپرستِ اعلیٰ اور مرکزی مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی تھے۔ متحدہ مجلس عمل کے دورِ حکومت میں خیبر پختونخوا اسمبلی کے رکن (۲۰۰۲ء-۲۰۰۷ء) رہے۔ ۲۰۰۲ء کے الیکشن میں آپ تنگی ضلع چارسدہ PK-20 سے صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور بحیثیت صوبائی ممبر کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور ساتھ ہی نفاذِ شریعت کونسل کے ممبر بھی تھے، جس میں شریعت بل اور حسبہ ایکٹ بنانے میں آپ کا اہم کردار شامل تھا۔ موصوف نے صوبائی اسمبلی سے شریعت بل اور حسبہ ایکٹ پاس کروانے کا اعزاز حاصل کیا۔

دار العلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہؒ وفات پا گئے تو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے آپ کو اُن کی جگہ تدریس کے لیے بلایا، آپ نے کئی مرتبہ جگہ کی دوری کی بنا پر معذرت کی، لیکن مولانا نہیں مانے اور آپ کو مجبور کیا، پھر آپؒ نے استخارہ کیا جس میں خواب دیکھا کہ امام بخاریؒ دار العلوم حقانیہ تشریف لا رہے ہیں۔ اساتذہ کرام میں حضرت مولانا عبد الحقؒ اور دیگر اکابر موجود ہیں، جب امام بخاریؒ دار العلوم پہنچے تو ان کے ہاتھوں میں بخاری شریف کا نسخہ تھا، آپ نے وہ نسخہ شیخ ادریس شہیدؒ کو دیا، جس سے آپ کو دلی اطمینان ہوا اور دار العلوم حقانیہ کی مسندِ حدیث پر جلوہ افروز ہوئے۔

شیخ ادریس شہیدؒ نے اپنے جدِ امجد حضرت مولانا شہزادہ صاحبؒ کے ہاتھ پر سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی اور انھوں نے آپ کو خلافت سے نوازا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد سلوک کے سفر کو جاری رکھتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی اور حضرتؒ نے نقشبندیہ اور قادریہ دونوں سلسلوں میں خلافت سے نوازا۔ ولیِ کامل مولانا عبد السلام (المعروف پیر سباق بابا جی صاحب) نے بھی اعزازی طور پر سلاسلِ اربعہ میں خلافت عطا کی۔

حالیہ عالمی وملکی حالات میں پاکستان کے امن پسند کردار کو سراہتے تھے اور شریعت کے نام پر مسلح جدو جہد کو غلط سمجھتے تھے۔ شہادت سے کچھ ہی دن قبل ایک بیان میں پاکستانی قیادت کی کاوشوں کو خراجِ تحسین پیش کیا تو ملک دشمن عناصر آپؒ کی کردار کشی پر اُتر آئے اور سوشل میڈیا پر آپؒ پر گند اُچھالتے رہے، لیکن آپؒ ہر سطح پر بلاخوف لومۃ لائم کلمۂ حق بلند کرتے رہے، جس کی پاداش میں شہادت کے دن صبح سویرے حدیث شریف پڑھانے کے لیے گھر سے مدرسے کی طرف تشریف لے جاتے ہوئے دہشت گردوں نے آپؒ کو شہید کر دیا۔ آپؒ نے اپنے سسر حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ کے راستے پر چلتے ہوئے شہادت پائی، کیونکہ وہ بھی ملک دشمن عناصر کے خلاف اپنے وقت کی مضبوط آواز تھے اور اسی پاداش میں شہید کیے گئے۔

اسی دن نمازِ عصر کے بعد چارسدہ میں آپؒ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی، جس میں خلقِ کثیر شریک ہوئی، تا حدِّ نظر انسان ہی انسان تھے۔ نمازِ جنازہ کے بعد آپؒ کے آبائی قبرستان میں آپؒ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔

جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری، نائب رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر سید احمد یوسف بنوری، ناظمِ تعلیمات حضرت مولانا امداد اللہ یوسف زئی اور تمام اساتذہ وطلبہ حضرتؒ کے پسماندگان سے تعزیت کے ساتھ ساتھ اس سانحہ کو اپنا سانحہ اور غم اور خود اپنے کو تعزیت کا مستحق سمجھتے ہیں، اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی جمیع حسنات کو قبول فرمائے اور آپؒ کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، آپؒ کے قاتلوں کو دنیا وآخرت میں عبرت کا نشان بنائے، ہمارے ملک پاکستان کو امن کا گہوارہ بنائے، علمائے کرام اور عوام الناس کی حفاظت فرمائے، آپ کے پسماندگان، متعلقین، منتسبین، اعزہ واقارب، آپ کے تلامذہ، خصوصاً آپؒ کے صاحبزادگان مولانا انیس احمد (عالم دین اور مدرس) اور ڈاکٹر محمد سلمان (MBBS) کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور اپنے والد کا صحیح جانشین بنائے، آمین بحرمة خاتم النبيين صلی الله عليه وعلیٰ اٰلهٖ وصحبهٖ أجمعين!

ادارہ بینات تمام قارئین سے حضرتؒ کے لیے اور تمام اہلِ حق شہداء کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتا ہے۔

.....❁.....❁.....❁.....

حضرت مولانا شیخ محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت

مولانا نور الرحمٰن
استاذِ جامعہ

موت کوئی انوکھی چیز نہیں ہے، بلکہ یہاں کا آنا جانے کی تمہید ہے۔موت کے قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے، نہ کوئی ولی، نہ عالم وجاہل، نہ بادشاہ وگدا۔

لو کانت الدنیا تدوم لواحد   لکان رسول اللّٰہؐ فیہا مخلدا

مولانا ادریس صاحبؒ دار العلوم نعمانیہ ترنگزئی چارسدہ میں صحیح بخاری پڑھانے آرہے تھے کہ ظالموں نے شہید کردیا، حدیث میں ہے: ''تُبْعَثُوْنَ کَمَا تَمُوْتُوْنَ.'' جس طرح وہ زندگی میں مسلمانوں کے ہر خیر کے معاملہ میں پیش پیش تھے، ایسا ہی موت کے معاملہ میں بہت تیزی سے گئے اور کیا گئے کہ اپنے چاہنے والوں اور طلبہ کرام کو یتیم کرگئے، اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے جانے پر آسمان و زمین نوحہ کرتے ہیں۔

یقین نہیں آتا کہ لاکھوں دلوں پر حکمرانی کرنے والے بے تاج بادشاہ واقعی ہم سے جدا ہوگئے ہیں، لیکن اپنے ہاتھوں تلقین وتدفین نے ثابت کردیا کہ حضرتؒ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہوگئے اور شہادت کے لیے حضرتؒ کی دعائیں اور تمنائیں پوری اور قبول ہوگئیں اور ان شاء اللہ وہ عرش کے سایہ میں خوش وخرم ہوں گے، لیکن افسوس اس پر ہے کہ جامعہ نعمانیہ کے دار الحدیث اور در و دیوار اُداس ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے روحانی فرزند نہ رہے اور مدارس ماتم کناں ہیں کہ ہمارا سرپرست نہ رہا۔اہلِ حق حیران ہیں کہ ان کی ڈھال ٹوٹ گئی۔عوام وخواص عالم وجاہل سب ہی اپنی اپنی جگہ رنج والم میں مبتلا ہیں کہ اپنی پریشانی کی داستاں کسے سنائیں؟ اور ان کے زخمی دلوں کی مرہم پٹی کون کرے؟

اللہ جل شانہ نے حضرت کو بہت سے کمالات وصفات سے نوازا تھا، آپ بیک وقت لائق و فائق محقق، بلند پایہ محدث، ادیبِ کامل، بے مثال اور کامیاب مدرس اور مسندِ اصلاح وارشاد کے شیخ کامل تھے،

تقریر وتحریر کے امام تھے۔ اور جب ملاحدہ اور زنادقہ کے خلاف بولتے تو قرونِ اولیٰ کے متکلمین کی یاد تازہ کرتے۔ مسندِ اصلاح وارشاد اور فقہ وفتاویٰ کے میدان میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ تقویٰ وطہارت، زہد واستغناء، قناعت وتوکل وغیرہ صفات کے اعتبار سے آپ اس دور کے نہیں بلکہ خیر القرون کے آدمی معلوم ہوتے تھے۔

آپ کے اخلاص وللّٰہیت و بےلوثی اور بےنفسی نے آپ کو عند اللہ وعند الناس مقبول ومحبوب بنادیا تھا۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اتباعِ سنت سے عبارت تھا اور اصلاح وارشاد اور وعظ ونصیحت آپ کا امتیاز تھا اور درس وتدریس آپ کی مشغولیت اور احقاقِ حق اور تردیدِ باطل آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔ آپ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا، مگر عجب وکبر کبھی پاس سے نہیں گزرا، پاک وہند اور یورپ امریکہ تک آپ کی علمی اور روحانی شخصیت کا شہرہ تھا، مگر اس سے دنیاوی مفاد حاصل نہ کیا۔ اور آپ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ جہاں اعداء اسلام کے لیے کانٹا تھے، وہاں وہ رحماء بینھم کے مصداق بھی تھے اور آپ کی دینی خدمات پر جہاں لاکھوں عقیدت مند آپ سے محبت کا اظہار کرتے وہاں دشمنانِ اسلام آپ کو گالیوں بھرے خطوط بھی بھیج دیتے، عقیدت مندوں کی تعریف سے اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہوتی تو ان خطوط سے صاف ہوجاتی۔ اور آپ کا دوسرا کمال یہ تھا کہ آپ سے ملنے والا ہر شخص یہ سمجھتا کہ حضرت کو سب سے زیادہ مجھ ہی سے تعلق ہے، اس لیے پاکستان بھر کی تمام دینی اور مذہبی جماعتیں اور اکابر اور کارکن سمجھتے کہ حضرت ہمارے سرپرست ہیں۔

لوگ آپ کی شہادت سن کر غم ورنج میں ڈوب گئے اور دھاڑیں مار کر رونے لگے اور لوگ اپنے مشفق اور محبوب مربی اور شیخ کے جنازہ میں شرکت کے لیے آنے شروع ہوگئے اور تاحدِ نگاہ ایک جمِ غفیر جنازے میں شریک ہوا اور ایک تہائی لوگ تورش کی وجہ سے پہنچ ہی نہ سکے۔ اگر اکابرین اور جامعہ نعمانیہ کے اساتذہ عوام کو صبر وسکون کی تلقین نہ کرتے تو مزید بڑے خطرہ کا خدشہ تھا اور عصر کے بعد جنازہ پڑھا کر بالآخر اس علم وفضل کے تاجدار کو عشاق کی نظروں سے اوجھل کردیا گیا۔ حکومت پر فرض ہے کہ اس سازش کو بےنقاب کرے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی کامل مغفرت فرما کر شہادت کو قبول فرمائے اور ہم سب کو حضرتؒ کے مشن پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قدرتِ الٰہی کا کرشمہ کہ اس بہشتی دولہے کی حنابندی اللہ تعالیٰ نے خود کی کہ داڑھی مبارک کو خون سے رنگین کیا اور اس پینسٹھ سالہ بہشتی کو لہو کا گلوبند پہنایا گیا۔ القلب یحزن والعین تدمع وإنا بفراقك لمحزونون يا شيخ إدريس! ولا نقول إلا بما يرضى به ربنا: إنا لله وإنا إليه راجعون، اللّٰهم اجْزْني في مصيبتي، وَأخلف لي خيرا منها، اللّٰهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده، اللّٰهم اغفره وارحمه واعف عنه وأكرم نزله ووسع مدخله، اللّٰهم تقبل جهوده الحسنة واجزه عنا وعن الأمة الإسلامية خير الجزاء.

زکاۃ میں سلے ہوئے کپڑے دینا

ادارہ

سوال:

کیا زکاۃ کی مد میں وہ کپڑے دیے جاسکتے ہیں جو سلے ہوئے تو ہوں مگر پہنے نا ہوں؟ اگر ہاں تو اس کا طریقہ کار؟ اس کی کیا قیمت لگائیں گے؟

الجواب حامدًا و مصليًا

زکاۃ کی مد میں سلے ہوئے کپڑے دینا درست ہے، البتہ مارکیٹ میں یہ کپڑے جتنی قیمت میں فروخت ہوں گے، اسی حساب سے زکاۃ کی ادائیگی کی جائے گی۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

’’و يقومها المالك في البلد الذي فيه المال حتى لو بعث عبدا للتجارة إلٰى بلد اٰخر، فحال الحول تعتبر قيمتهٗ في ذٰلك البلد.‘‘ (ج:۱،ص:۱۸۰،دارالفکر،بیروت)

’’الدر المختار‘‘ میں ہے:

’’و يقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة، ففي أقرب الأمصار إليه فتح.‘‘ (ج:۲،ص:۲۸۶،دارالفکر،بیروت)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 1441-7177 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

پانی میں بال، مچھر، مکھی وغیرہ گرنے کا حکم

سوال

پانی میں اگر بال گر جائے یا مکھی، چیونٹی، مچھر یا اس طرح کے اور کیڑے مکوڑے گر کر مر جائیں تو کیا اس پانی سے وضو یا غسل کر سکتے ہیں؟

جواب

صورتِ مسئولہ میں پانی میں بال گرنے سے یا مکھی، چیونٹی، مچھر یا اس طرح کے کیڑے مکوڑے گر کر مر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، وجہ یہ ہے کہ ان میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا، چنانچہ اس پانی سے آپ وضو اور غسل کر سکتے ہیں۔ ''المحيط البرهاني'' میں ہے:

''وليس بول الخفاش وخرؤه بشيء؛ لأنهٗ لا يستطاع الامتناع عنه، وليس دم البق والبراغيث بشيء وإن كثر لأنهٗ ليس بدم مسفوح، وأما دم الحلم والأقراد فنجس؛ لأنهٗ دم مسفوح والاحتراز عنه ممكن، وإذا أصاب الثوب أكثر من قدر الدرهم يمنع جواز الصلوة. وقال أيضا: وسئل هو عن سرقين جاف أو التراب النجس إذا هبت به الريح وأدخلته في الثوب لا ينجسه ما لم ير أثرهٗ.'' (كتاب الطهارة، باب النجاسة، ج:١، ص:١٨٩، ط:دار الكتب العلمية)

''شرح مختصر الكرخي'' میں ہے:

''ولا ينجس من غير الإنسان والخنزير الشعر، والصوف، والوبر، والريش، والقرن، والعظم، والعصب، والخف، والظِلْف ... إلىٰ أن قال رح: وأما شَعْر الإنسان فطاهر.''

(كتاب الطهارة، فصل صوف الميتة، ج:١، ص:١٨١، ط:دار الأسفار، الكويت)

فقط اللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144710101808 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

نَقدُ و نَظَر

ادارہ

الجزاء الأوفٰی في ذکر أسماء المصطفٰی ﷺ

مع الصلٰوۃ علی النبي المصطفٰی ﷺ

تالیف: مولانا غلام یاسین بن محمد صاحب۔ صفحات: ۲۲۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: شعبہ دارالتصنیف والتحقیق وناشر خانقاہِ صدیقیہ، جامع مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، آرائیں واہن، تحصیل میلسی، ضلع وہاڑی۔ رابطہ نمبر: 0302-7457824

زیرِتبصرہ کتاب میں حضور نبی کریم ﷺ کے ۸۳۳ صفاتی نام اور اسماء مبارکہ جمع کیے گئے ہیں۔ ذکر کردہ اسماء مبارکہ بالخصوص درج ذیل کئی کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں: علامہ ابن دحیہؒ کی ’’المستوفی في أسماء المصطفٰی ﷺ‘‘، علامہ سخاویؒ کی ’’القول البدیع‘‘، ملاعلی قاریؒ کی ’’شرح الشفاء‘‘، علامہ محمد بن یوسف صالحی شامیؒ کی ’’سبل الھدی والرشاد في سیرۃ خیر العباد‘‘، علامہ عبدالباسط بلقینیؒ کی کتاب ’’الوفا بشرح الاصطفاء من أسماء المصطفٰی ﷺ‘‘ اور علامہ قسطلانیؒ کی ’’المواھب اللدنیۃ‘‘ مع شرح زرقانیؒ۔ ان کے علاوہ دیگر کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اردو ذخیرہ میں یہ کتاب سیرتِ طیبہ کے موضوع پر ایک جامع اور بابرکت اضافہ ہے۔

اسماء مبارکہ کو محض ترتیب وار ذکر کرنے کے بجائے ہر اسم مبارک سے پہلے اور بعد میں درود شریف لکھا گیا ہے، اور ساتھ میں ہر اسم مبارک کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا ’’الْأَبَرِّ بِاللهِ‘‘ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا ’’الْأَبْطَحِيِّ‘‘ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ
وادیِ بطحاء کے سردار
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا ’’أَتْقَى النَّاسِ‘‘ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ
سب سے بڑھ کر متقی

صفحہ نمبر: ۴۲ سے صفحہ نمبر: ۱۸۰ تک ۸۳۳ / اسماءِ مبارکہ مع درود شریف درج کیے گئے ہیں، اور صفحہ نمبر: ۱۸۱ سے صفحہ نمبر: ۲۲۰ تک تمام اسماءِ مبارکہ کے مآخذ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

کتاب میں مذکور تمام اسماءِ مبارکہ کو ہفتہ کے اعتبار سے سات منزلوں پر تقسیم کیا گیا ہے، یعنی روزانہ چند اسماءِ مبارکہ کے ساتھ درود شریف کی ایک منزل پڑھنے سے سات دنوں میں تمام اسماءِ مبارکہ مع درود شریف پڑھے جاسکتے ہیں۔ یہ عمل موجبِ برکت وثواب ہے، ان شاء اللہ۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، مؤلف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور تمام مسلمانوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفاعت نصیب فرمائے، آمین!

توضیح التوضیح شرح اردو التوضیح والتنقیح (۲ جلدیں)

شارح: مفتی سید رحیم الدین صاحب۔ صفحات جلد اول: ۶۴۴، صفحات جلد دوم: ۹۳۱۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: اسلامی کتب خانہ، بالمقابل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ رابطہ نمبر: 0335-2420737

علومِ اسلامیہ میں علمِ اصولِ فقہ نہایت اہم مقام رکھتا ہے، کیونکہ اس علم میں قرآن وسنت سے شرعی احکام کے اخذ واستنباط کے اصول وقواعد مدون کیے گئے ہیں، اور اسی علم کی بدولت مجتہدین نے دین کے احکام کو منظم انداز میں بیان کیا ہے۔ علمِ اصولِ فقہ دلائل کی ترتیب کو سمجھاتا ہے، علمِ فقہ کو مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے اور ہر دور کے نئے مسائل کو ذخیرۂ فقہِ اسلامی کی روشنی میں حل کرنے میں مدد دیتا ہے۔

علمِ اصولِ فقہ میں علماءِ حنفیہ کی تصانیف سے ایک پورا کتب خانہ تیار ہو چکا ہے، ان میں ایک اہم متن، صدر الشریعہ الاصغر علامہ عبید اللہ بن مسعودؒ (۷۴۷ھ) کی کتاب ’’تنقيح الأصول‘‘ اور اس کی مقبول شرح خود انہی کے قلم سے ’’التوضيح في حلّ غوامض التنقيح‘‘ ہے۔ موصوف نے اس متن وشرح کی ترتیب میں پچھلے ذخیرہ سے خوب استفادہ کیا، خاص طور پر تین کتابوں: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ’’المحصول‘‘، ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کی ’’المختصر‘‘ اور علامہ فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ کی ’’كنز الوصول إلى معرفة الأصول‘‘ کا جوہر اس کتاب میں سمو دیا ہے۔

’’التنقيح‘‘ اور اس کی شرح ’’التوضيح‘‘ کی اہمیت کی بنا پر اس متن وشرح کے بہت سے

حواشی لکھے گئے ہیں، ان میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ ’’التلویح‘‘ بہت مشہور ہے اور درسِ نظامی میں شامل رہا ہے، یہ متن وشرح وحاشیہ درسِ نظامی کی اہم کتابوں میں شمار ہوتے ہیں۔ قبل ازیں اس کتاب کا متن وشرح، مقدماتِ اربعہ تک اور حاشیہ ’’التلویح‘‘ کا ایک حصہ (ابتدا سے بحث خاص تک) بھی شامل تھا، لیکن اب کچھ عرصہ قبل وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی نصابی کمیٹی نے حاشیہ ’’التلویح‘‘ کو خارج کرکے ’’التوضیح‘‘ کو مکمل داخلِ نصاب کردیا ہے۔

’’التوضیح‘‘ کی کوئی مکمل اردو شرح ہماری نظر میں نہ تھی، شاید اسی ضرورت کا اِدراک کرتے ہوئے جامعہ کے جواں سال اور ذی استعداد فاضل ومتخصص مفتی سید رحیم الدین حفظہ اللہ نے پیشِ نظر کتاب مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں اعراب لگانے کا اہتمام کیا گیا، عبارت کا سلیس ترجمہ وتشریح کی گئی، اور مباحث کا خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب دو جلدوں میں ہے، اور شارح نے اپنے تئیں کتاب کو حل کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے، مدرّسین وطلبہ کرام کو اُن کی محنت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

مؤلف کے مطابق کتاب کی پہلی جلد میں وفاق کا سابقہ نصاب (مقدماتِ اربعہ تک) اور جلد دوم میں بقیہ کتاب کی شرح ہے۔ اس کی بنا پر دونوں جلدوں کی ضخامت میں توازن نہیں رہا، بظاہر وفاق کے سابقہ نصاب کی رعایت کی ضرورت نہ تھی، بہتر ہوتا کہ دونوں جلدوں کے صفحات میں توازن رکھا جاتا۔ نیز کتاب کے کاغذ کا معیار بھی قابلِ غور ہے، شاید مؤلف وناشر کا مقصود قارئین کو قیمت میں اضافی بوجھ سے بچانا ہو۔ اُمید ہے کہ کتاب کے آئندہ طبع میں ان اُمور کی رعایت رکھی جائے گی۔